

# نواب اعظم و مشنوی اعظم نامہ

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال

ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (عثمانیہ)

پتھر ارشعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ  
ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال  
مئی ۱۹۸۷ء پہلا ایڈیشن  
محمد عبد الرزاق

نام کتاب  
تحقیق و ترتیب  
سنہ اشاعت  
کتابت و سرورق

دائرہ پریس - چھتہ بازار حیدرآباد  
پندرہ روپے . لائبریری ایڈیشن بینل بینل  
پانچ سو

مطبع  
قیمت  
تعداد

[ مالی اعانت اردو اکیڈمی - آندھرا پردیش - حیدرآباد دکن ]

ملنے کے پتے :-

۱. مصنف . مکان نمبر 855 - 3 - ۱۱ نیولے پٹی . حیدرآباد ۵۰۰۰۱ (لے پی)
- ۲ - الیاس ٹریڈرس - شاہ علی بندہ روڈ - حیدرآباد ۵۰۰۰۲
- ۳ - بک ڈپو انجمن ترقی اردو - اردو ہال - حمایت نگر - حیدرآباد
- ۴ - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ - جامعہ نگر - نئی دہلی - ۲۵
- ۵ - الحاج محمد بلال 135/A, A.S. (LLOYDS) ROAD ۶۰۰۰۸۶ اس ۶۰۰۰۸۶ نوں نمبر 474711

# سریب

پیش لفظ

والی ارکاٹ امیر الہند والاجاہ نواب محمد غوث خاں اعظم حیات اور کارنامے

قادر حسین جوہر حالات اور تصانیف

مثنوی اعظم نامہ ایک تعارف

اعظم نامہ کی ادبی اہمیت

صرافی تجزیہ

صوفی تجزیہ

اعظم نامہ (مثنوی)

کتابیات

## حالات مصنف

نام محمد افضل الدین اقبال قلمی نام محمد افضل اقبال  
والد مولوی محمد شرف الدین مرحوم بانی و ممتد کل ہند صنعتی نمائش حیدرآباد  
قبیلہ بی۔ ایس سی ایم۔ اے پی پی ایچ ڈی، ڈپلوما ان عربک  
ملازمت پیکر ار اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد  
سکونت مکان نمبر 855-3-11 نیو پلے پٹی حیدرآباد ۵۰۰۰۱ (اے پی)

## تصانیف

- ۱۔ پینٹنگ کی کہانی (تاریخ فن طباعت) ۱۹۶۵ء
- ۲۔ تذکرہ سجد (اردو انگریزی) ۱۹۶۳ء
- ۳۔ مدراس میں اردو ادب کی نشوونما (جلد اول) ۱۹۷۹ء  
(آئندہ پیدائش اردو اکیڈمی سے پہلا انعام پانے والی یہ کتاب مدراس یونیورسٹی کے ایم۔ بی کے نصاب میں شامل ہے)
- ۴۔ فورٹ سینٹ جارج کالج (انتر پیدائش اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ) ۱۹۷۹ء
- ۵۔ جنوبی ہند کی اردو صحافت (انتر پیدائش اردو اکیڈمی اور مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ) ۱۹۸۱ء
- ۶۔ اردو کا پہلا نشری ڈرامہ ادب کیپٹن گرین آؤے انتر پیدائش و آئندہ پیدائش اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ ۱۹۸۴ء
- ۷۔ نواب اعظم و مشنوی اعظم نامہ ۱۹۸۷ء
- ۸۔ مدراس میں اردو ادب کی نشوونما (جلد دوم) ۱۹۸۷ء
- ۹۔ فورٹ سینٹ جارج کالج کا سائنسی ادب ۱۹۸۷ء
- ۱۰۔ دجلہ اور کاروان زندگی
- ۱۱۔ اردو و نشر کے ارتقاء میں باقرہ نگاہ کا حصہ

زیر طبع  
زیر طبع  
زیر طبع  
زیر طبع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## پیش لفظ

گو لکھنڈہ اور بیجا پور کے سیاسی انقلاب کے بعد اہل علم و ادب تامل ناڈ (مدراس) کے علاقے میں منتقل ہونے لگے۔ نوابانِ اراکاٹ نے اپنے محدود وسائل سے علماء اہل ہنر اور اربابِ ادب کی سرپرستی کی اور اراکاٹ کو ایک نئے دبستانِ ادب کی حیثیت عطا کر دی تھی۔ اس نوبت پر اتنا اشارہ کافی ہے کہ نوابانِ اراکاٹ کے مورثِ اعلیٰ نواب انور الدین خاں تھے اور وہ گویا میو سکھنؤ (اُتر پردیش) کے رہنے والے تھے۔ ان نوابانِ اراکاٹ کی علمی و ادبی خدمات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان ادبی کاوشوں کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے جو اس زمانہ میں وجود میں آئیں۔ اور جن کا تاریخِ زبانِ اردو ادب میں ایک اہم مقام ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سیدہ جعفر دکنی "نثر کا انتخاب" کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں :

"دکنی ادب کی روایات سقوطِ گو لکھنڈہ اور زوالِ بیجا پور کے بعد بھی جنوب میں ایک عرصہ تک زندہ رہیں۔ اراکاٹ کے نوابین نے شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی اور ان کی اس علم پروری اور ادب نوازی کے باعث تامل کا علاقہ اس دور کا ایک اہم ادبی مرکز

بن گیا۔ مدراس کے والہا جہاں حکمرانوں اور بالخصوص اسکاٹ کے آخری  
نواب محمد غوث خاں اعظم کا عہدِ اُردو ادب کی نشوونما کے لحاظ سے  
دورِ زریں کہا جاسکتا ہے۔“

نواب محمد غوث خاں اعظم فارسی اور اُردو کے اچھے شاعر اور ادیب تھے  
انہوں نے چار کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن میں ”صبحِ وطن“ اور ”گلزارِ اعظم“  
مشہور اور مقبول تذکرے ہیں۔ ”بہارتانِ اعظم“ ان کے فارسی اور اُردو کلام کا مجموعہ  
ہے۔ ”اُردو کی ادبی تاریخ“ میں پروفیسر عبدالقادر سہروردی لکھتے ہیں کہ ”نواب اعظم کے  
ستھرے مذاقِ سخن اور علمِ دوستی کے مدِ نظر ان کے اطراف اچھے عالم اور سخنِ سنج اکٹھے ہو گئے  
تھے اور ان کی وجہ سے اُردو شاعری کو جو محرک نصیب ہوا اس کے باعث مدراس اور  
اس کے دورِ دراز حصوں میں اُردو شاعری کا ذوق ایسا پھیل گیا جاکر مختلف حصوں سے  
صد ہا شاعر اور نثر نگار پیدا ہوتے رہے“۔

نواب اعظم پر مولوی نصیر الدین ہاشمی اور محمد حسین محوی صدیقی کے مضامین شائع  
ہو چکے ہیں لیکن پہلی بار راقم الحروف نے نواب اعظم اور ان کے عہد کی علمی، ادبی و  
لسانی خدمات پر پروفیسر ڈاکٹر سیدہ جعفر کی زیرِ نگرانی ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر عثمانیہ یونیورسٹی  
سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اسی مقالہ کا ایک حصہ ”مدراس میں اُردو ادب  
کی نشوونما“ کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ گراں قدر انعامات کے علاوہ  
مدراس یونیورسٹی کے ایم۔ فل کے نصاب میں شامل ہوا۔ اور پاکستان کے مشہور ادبی

”نقوش“ لاہور کے خاص ادبی مہر کے نمبر میں اس مقالہ کا ایک طویل حصہ نقل ہے۔ ”مدرس میں اردو کی نشوونما“ میں نواب ذوالفقار خاں کے دور سے لے کر عظیم جاہ کے عہد یعنی (۱۶۶۲ء سے ۱۸۲۵ء) تک کا تذکرہ ہے۔ اب ارکاٹ کے رانی نواب اعظم کی حیات اور کارناموں کی اشاعت عمل میں آرہی ہے۔ یہ اگرچہ نخلے کا ایک باب ہے لیکن نظر ثانی، حذف و اضافے کے بعد اسے ایک مستقل کتاب پر مشتمل کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے ساتھ پہلی بار ”اعظم نامہ“ کی سبھی عمل میں آرہی ہے۔ یہ غیر مطبوعہ مثنوی نواب اعظم کے درباری شاعر قادر حسین نرویز قلم کا نتیجہ ہے۔ اس مثنوی میں نواب اعظم کی ولادت سے وفات تک کے بڑے موثر انداز میں نظم کے گے ہیں۔ اس تاریخی مثنوی سے والا جاہی عہد کے نثر اور ریاست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

یہ مثنوی برادر محترم جناب صفی الدین محمد ایم۔ اے (عثمانیہ) صدر شعبہ اردو گورنمنٹ، حیدرآباد کا عطیہ ہے جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون اور شکر گزار ہوں۔ اسی شفیق و مہربان رہنما، ہمدرد استاد پروفیسر سیدہ جعفر کی خدمت میں اپنا دلی ہدیہ لے کر آتا ہوں۔ ان کی علمی بصیرت، ادبی رہنمائی، ذوقِ عمل اور خلوص و محبت سے بے حد فیض اٹھایا ہے۔ میں محترم ڈاکٹر محمد غوث صاحب مرحوم کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ فے کتب خانہ مدرسہ محمدی دہلوانتی کتب خانہ مدراس کے گراں قدر علمی ذخیرے، قدیم و نادر دستاویزات سے استفادہ کا موقعہ دیا تھا۔ میں محترمہ ڈاکٹر غوث صاحبہ کا بھی

بلے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے مولوی عبدالوہاب مدار الامراء اور محمد عمر

خال بہادر کے روزناموں اور بیاضوں سے استفادہ کا موقعہ دیا جن سے قیمتی مواد حاصل ہوا۔ میں اپنے شفیق و مہربان چچا ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب بن صدر شعبہ مذہب و ثقافت عثمانیہ یونیورسٹی کالجہ ممنون ہوں جن کی رہنمائی اور سرپرستی مجھے ہمیشہ حاصل رہی۔ میں اپنی چھوٹی چچا زاد بہن راحت ایم۔ اے، ایم فل کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے مجھے جوہر کی فارسی تصانیف جو گورنمنٹ اور نیشنل منسکریٹ لائبریری مدراس کے ۱۹۶۶ء کے خاص شمارے میں شائع ہوئی تھیں روانہ کیں۔ ان ہی کی وجہ سے نواب اعظم کی تخت نشینی کی فوٹو بھی حاصل ہوئی۔ میں اپنے عزیز دوست میر احمد علی الہام واحدی ایم۔ اے، ایم فل کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں دلچسپی لی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

میں آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی کا بھی شکر گزار ہوں جس نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون کیا۔ آخر میں برادر مراد مولوی محمد عبدالرزاق صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے بہت جلد کتابت کا خوش گوار فریضہ انجام دیا۔

محمد افضل اقبال

حیدرآباد - مئی ۱۹۸۷ء  
رمضان ۱۴۰۸ھ



# والی امکاٹ

## امیر الہند والاجاہ نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم

### حیات اور کارنامے

۱۶۸۶ء میں بیجا پور کی عادل شاہی اور ۱۶۸۷ء میں گوکنڈہ کی قطب شاہی سلطنتوں کا خاتمہ کرنے کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوستان کے جنوبی علاقے کی طرف توجہ کی۔ شہنشاہ عالمگیر کے جنرل نواب ذوالفقار خاں نے ۱۶۹۱ء میں کرناٹک پائین گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ علاقہ کرناٹک پائین گھاٹ میں گنٹور، نلور، مدراس، چنگل پیرٹ، جنوبی ارکاٹ، بارہ محل، سیلم، کوئمبتور، شمالی ارکاٹ اور ویلور شامل تھے۔

اس صوبہ کے انتظام کے لئے عالمگیر نے ۱۶۹۲ء میں نواب

ذوالفقار خاں کو کرناٹک کا پہلا صوبہ دار (گورنر) مقرر کیا۔

تسخیر کرناٹک کے دوران نواب ذوالفقار خاں نے پالار ندی کے کنارے جنگل کٹوا کر اپنے خیمے نصب کروائے تھے۔ ان کا کیمپ روز بروز ترقی کرتا گیا۔ خیموں اور جھونپڑوں کی جگہ پختہ اور سفالی مکانات نے لے لی۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ”ارکاٹ“ کے نام سے یہاں ایک خاصہ بارونق شہر آباد ہو گیا۔ ”تامل زبان میں ”آر“ کے معنی ”ندی“ اور ”کاٹ“ کا مفہوم جنگل ہے۔ چونکہ ندی کے کنارے جنگل قطع کر کے کیمپ نصب کئے گئے تھے اس لئے یہ شہر ارکاٹ کے نام سے موسوم ہوا۔ اور اس شہر کو صوبہ دار کرناٹک کے مستقر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

۳۱۔ مکہ میں نواب ذوالفقار خاں کو شہنشاہ عالمگیر نے دہلی طلب کر لیا۔ اور ان کی جگہ نواب داؤد خاں اپنی کرناٹک کے صوبہ دار مقرر کئے گئے لیکن ۳۱۔ مکہ میں مغل شہنشاہ بہادر شاہ اول نے انہیں بھی دہلی طلب کر لیا۔ نواب داؤد خاں کے دہلی چلے جانے پر ان کے

۱۔ نواب ذوالفقار خاں سے نواب اعظم جاہ تک تمام نوابان ارکاٹ کے تفصیلی تذکرہ کے لئے راقم الحروف کا مقالہ ”مدرس میں اردو ادب کی نشوونما“ ملاحظہ ہو۔

۲۔ برہان خاں ہانڈی: توڑک والا جاہی صفحہ ۶۸ مطبوعہ مدراس

دیوان نواب سادات اللہ خاں کرناٹک کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ ان ہی سے کرناٹک میں ”خاندانِ نواب“ کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس خاندان کی حکومت ۱۸۱۷ء سے ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔ ۱۸۵۷ء میں نواب انور الدین خاں کرناٹک کے ناظم (صوبہ دار) مقرر ہوئے۔ نوابانِ ارکاٹ ”” کا خاندان والا جاہی“ ان ہی سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے خاندان نے کرناٹک میں ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۷ء تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اور پھر ۱۸۸۷ء میں نواب عمدة الامراء غلام حسین خاں بہادر ممتاز کے انتقال پر گورنر مدراس نے ان کے جانشین نواب تاج الامراء علی حسین خاں بہادر ماجد کے سامنے یہ شرطیں پیش کیں کہ کرناٹک کا نظم و نسق ایٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیں۔ اور اس کے معاوضے میں کمپنی وظیفہ مقرر کر دے گی۔ اگر وہ حقوق ملک سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جائیں تو ان کی جانشینی کو کمپنی تسلیم کرے گی۔ لیکن نواب تاج الامراء نے ان شرطوں کو ماننے سے انکار کر دیا جس پر ان کے چچا زاد بھائی نواب عظیم الدولہ عبدالعلی خاں بہادر سے انگریزوں نے سالانہ بارہ لاکھ روپے اور پنجم حصہ آمدنی پر معاملات طے کر لئے اور

اس طرح اس معاہدہ کی رو سے کرناٹک کا سارا فوجی اور دیوانی انتظام ایٹ انڈیا کمپنی کے تحت آگیا اور نواب عظیم الدولہ ۱۹ ربیع الاول ۱۲۲۱ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۸۰۷ء کو کرناٹک کے پہلے وظیفہ یاب نواب کی حیثیت سے مسند نشین ہوئے۔

نواب عظیم الدولہ اٹھارہ سال تک کرناٹک کے اعزازی نواب رہے۔ انھوں نے آسودہ مطمئن اور خاموش زندگی بسر کی۔ ۱۰ اشوال ۱۲۳۴ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۸۱۹ء میں نواب عظیم الدولہ کے انتقال پر ایٹ انڈیا کمپنی نے کرناٹک کی برائے نام نوابی کی موروثی حیثیت کو بھی ختم کر دینا چاہا کیونکہ ۳۱ جولائی ۱۸۰۷ء میں جو معاہدہ ایٹ انڈیا کمپنی اور نواب عظیم الدولہ کے درمیان طے ہوا تھا اس میں کرناٹک کی نوابی کی موروثی حیثیت کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ کمپنی نے محض اپنی مہربانی سے نواب عظیم الدولہ کی وفات کے چھ ماہ بعد ۳۱ فروری ۱۸۲۰ء کو ان کے بڑے فرزند نواب محمد منور خاں اعظم جاہ کو ان کا جانشین

---

رہے ایٹ انڈیا کمپنی اور نواب عظیم الدولہ کے درمیان جو عہد نامہ ہوا اس کی نقل "سوانح امتزاز" (فارسی) میں صفحہ ۳۱۶ - ۳۱۱ پر ملاحظہ ہو۔

اور کرناٹک کا اعزازی نواب تسلیم کیا۔

## نواب محمد غوث خاں بہادر کی ولادت

نواب محمد منور خاں اعظم جاہ بہادر کی شادی حیدر آباد کے ایک امیر کبیر نواب ابو الفخر خاں ضیاء الدولہ بہادر کی صاحبزادی نواب عنایت النساء بیگم سے ۲۶ رمضان ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۸۱۷ء کو بڑے تزک و احتشام سے انجام پائی تھی۔ شادی کے سات سال بعد ۲۹ رذی الحجہ ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۸۲۴ء بہ روزہ چہار شنبہ دس بجے دن نواب محمد غوث خاں بہادر پیدا ہوئے بلکہ

نواب محمد غوث خاں بہادر کی پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ روپیہ، پیسہ، خلعتیں اور دوشالے تقسیم ہوئے۔ راگ رنگ کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ اسی طرح چھٹی اور چھلے کی رسمیں بھی بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوئیں۔ ان رسموں میں سیم و زر نچھاور کیا گیا اور

دو شالے تقسیم ہوئے۔ قادر حسین جوہر نے "اعظم نامہ" میں اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جو اس کتاب میں موجود ہے۔

## نام و نسب

تذکرہ "گلزارِ اعظم" میں نواب محمد غوث خاں نے اپنا اصل نام محمد غوث بتایا ہے۔ انھیں امیر الہند والا جاہ عمدۃ الامراء مختار الملک عظیم الدولہ نواب محمد غوث خاں بہادر شہامت جنگ کے خطابات حاصل تھے بلکہ تذکرہ "حلیقۃ المرام" اور "سخنوران بلند فکر" کے علاوہ مفتوی "اعظم نامہ" میں نام "نواب محمد غوث خاں بہادر" تحریر ہے۔ مدراس کا مشہور اخبار 'جامع الاخبار' جو نواب ممدوح کا سخت مخالف تھا انھیں ہمیشہ "غلام محمد غوث خاں بہادر" لکھا کرتا تھا۔

نواب محمد غوث خاں نسباً فاروقی تھے۔ ان کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے بتیس<sup>۳۲</sup> واسطوں سے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ تک اور والدہ کی جانب

سے چھبیس واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

## تخت نشینی

نواب محمد غوث خاں بہادر کی ولادت کے دہڑھ سال بعد ان کے والد نواب اعظم جاہ بہادر عین نوجوانی میں جب کہ اُن کی عمر صرف ۲۲ سال تھی ۳۰ ربیع الاول ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۸۲۵ء کو سنگ مشاندہ کے عارضہ کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ انگریز حکام نے ان کے چہلم کے دوسرے روز یعنی ۱۲ جمادی الاول ۱۲۲۱ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۸۲۵ء کو ان کے اکھوتے دہڑھ سالہ فرزند نواب محمد غوث خاں بہادر کو تخت نشین کیا۔ نواب موصوف کے حقیقی چچا نواب عظیم جاہ سراج الامراء عمدۃ الملک اسد الدولہ حافظ غلام محمد علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ الیٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے سترہ سال تک کے لئے ریاست کے نائب مختار مقرر کئے گئے محمد خاں عالم خاں تہمور جنگ نے نواب عظیم جاہ بہادر کی تاریخ

نیابت ان کے خطاب عظیم جاہ بہادر سے نکالی ہے جس سے ۱۳۴۱  
 کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ نیز مادہ تاریخ لفظ مختار سے بھی برآمد  
 ہوتا ہے لہ

### رسم ختنہ

چار سال کی عمر میں نواب محمد غوث خاں کے ختنہ کی مذہبی رسم  
 ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں انجام پائی مشہور شاعر محمد تاج الدین بہجت  
 نے حسب ذیل مصروف تاریخ کیا تھا۔  
برآمد دند گل از شمع کافور  
 ۱۲۴۲ھ

### رسم بسم اللہ

نواب محمد غوث خاں بہادر کی رسم بسم اللہ ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء

۱۔ خیر الدین خاں۔ احساس ریاست کزنائیک۔ صفحہ ۳۲ مطبوعہ حیدرآباد

۲۔ نواب محمد غوث خاں صبح وطن صفحہ ۲۶ مطبوعہ مدراس



میں انجام پائی تھی ۔ اس موقع پر ایک عظیم الشان جشن کا خاص اہتمام کیا گیا تھا ۔ کلس محل کلاں میں جہاں بسم اللہ کی تقریب منعقد ہوئی تھی مخملی فرش کیا گیا تھا ۔ رنگ برنگ کی فنادیل آویزاں کی گئی تھیں ۔ دیوان خانہ کے روبرو سرخ بانائی سائباں نصب کیا گیا تھا اور دیوان خانہ میں تخت زرین بچھا کر اُسے شامیانہ سے زینت دی گئی تھی ۔ اس تقریب کے موقع پر اہل قرابت اور ارکان داعیان سلطنت کو خطابات اور جواہرات کے علاوہ رنگ برنگ کے دو شالوں سے سرفراز کیا گیا اور مہانوں کی بڑی خاطر مدارات ہوئی ۔ مورخ ”سوانحات ممتاز“ کا بیان ہے کہ تقریب بسم اللہ میں ہزار ہا عالم جمع ہوئے تھے ۔ شادی محل میں اہل قرابت کی بی بیاں جمع تھیں اور دیوان خانہ باغ میں تین چار روز تک ضیافت کی ۔ مجلس اور مخمل طرب منعقد ہوتی رہی ۔ اس خوشی میں آتش بازی کا بطور خاص انتظام کیا گیا تھا لہ میر خورشید حسن موسوی نے جو مورخ ”سوانحات ممتاز“ کے رفیق تھے ۔ اس موقع پر یہ

## دعائیہ غزل کہی تھی سہ

جب کہ نواب زماں منہ سے کہا بسم اللہ  
 تب ہوئی چنگ و دف و نے سے صدا بسم اللہ  
 بلبلاں چمن فرح لگے ہوئے نثار  
 غنچہ لب اس کا جو پڑھنے کو کھلا بسم اللہ  
 عند لیباں گلستانِ مسرت بولے  
 واہ کیا صاف پڑھا نامِ خدا بسم اللہ  
 کہتے ہیں پیرو جواں خورد کلاں از سر ناز  
 چشم بد دور کہاں ایسا ہوا بسم اللہ  
 ہوئی مقبول یہ خورشیدِ جن سے یارب  
 جو دعا کہتا ہے کہہ کہہ کے صدا بسم اللہ  
 سایہ میں جدہ و مادر و چچا کے اس کے  
 اس کی اولاد کا تو اس کو دکھا بسم اللہ  
 ہے صلہ اس کا دوشالہ و گہر خلعت و زر  
 پر جو تو پہنتا ہے فی الوقت دلا بسم اللہ

## تعلیم و تربیت

نواب محمد غوث خاں کی بسم اللہ کے بعد ان کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ حافظ محمد مکی اور ان کے فرزند حافظ عبدالولی سے قرآن مجید ختم کیا پھر فارسی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں غلام محی الدین خوشنویس اور ان کے فرزند مولوی جلال الدین حسین خاں سے پڑھیں۔

ابتدائی تعلیم کے بعد سید ابوطیب خاں دآلا سے یوتان، انشاء خلیفہ وزلیخا، گلشن سعادت، سہ نثر ظہوری، پنج رقعہ، مینا بازار، رسائل طغراء، مشہدی، انشاء بیدل، انشاء نعمت خاں عالی، مثنوی سکندر نامہ، مثنوی راسخ، اخلاق جلالی، دیوان منظر، دیوان غنی، دیوان ناصر علی سرہندی اور دیوان اسیر جیسی کتابیں ختم کیں۔ آزاد بلگرامی کے عربی دیوان اور علم عروض کی کچھ کتابیں بھی پڑھیں۔ فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی جانب توجہ کی۔ شرح ملا جامی تک ابتدائی کتابیں مولوی جمال الدین احمد فرنگی علی سے پڑھیں۔ عقاید، فقہ اور حدیث کی کتابیں بقدر ضرورت

قاضی بدرالدولہ اور مولانا قاضی ارتضیٰ علی خاں سے پڑھیں۔ عربی اور فارسی خط کی مشق بھی کی تھی۔ اس فن کو بھی اس کے ہاکمالوں جیسے عنایت حسین خاں وغیرہ سے سیکھا تھا۔ ۶ شوال ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء کو مولوی محمد عبدالوہاب مدار الامر، نواب محمد غوث خاں کی تعلیم و تدریس کے لئے مقرر کئے گئے۔ انھوں نے نواب موصوف کو ریاضی کی تعلیم دی تھی۔ سترہ سال کی عمر میں تکمیل تعلیم کے بعد مشقِ سخن کا سلسلہ شروع کر دیا۔

## جلوس

نواب محمد غوث خاں بہادر کے جلوس کی تقریب ۱۷ رجب ۱۲۵۸ھ م ۲۵ اگست ۱۸۴۲ء کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منائی گئی۔ گورنر مدراس لارڈ الپھسٹن LORD ELPHINSTONE بھی اس تقریب میں شریک تھے۔ مثنوی ”اعظم نامہ“ میں نواب محمد غوث خاں کے جلوس کی بڑی اچھی تصویر پیش کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ۱۷ رجب ۱۲۵۸ھ میں جب نواب موصوف تخت پر بیٹھے اس وقت

ریاست کے جملہ فرقوں کے لوگ، سلطنت کے تمام امراء، انگریز عہدہ داروں کے علاوہ خود لارڈ الفنسٹن گورنر مدراس بھی جشن میں شریک ہوئے تھے۔ اس دن صبح دس بجے جو شان دار دعوت ہوئی اس کی پوری تفصیل بھی مثنوی میں موجود ہے۔ جب دن گزرا رات اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی تو محفل پر خوب روشنی کی گئی۔ ناچ گانے اور راگ اور رنگ کی محفل منعقد ہوئی جس میں انگریز خواتین بھی خوشی سے ناچنے لگی تھیں۔ مثنوی "اعظم نامہ" میں اس جشن کی مکمل تفصیلات ملاحظہ ہوں۔ مدراس کے ایک اور مشہور شاعر لطیف ارکاٹی نے بھی اس جشن جلوس کے موقع پر ایک نظم کہی تھی۔ اس کے کچھ شعر یہ ہیں۔

خوشی مسرت جہاں میں جشن جلوسِ عالی کی کیا کہوں میں  
کہ جس مسرت سے کہ رہی ہے چین میں بلبلِ نغمہ سرائی  
آہی قائم رہے جہاں میں ہمیشہ یہ تخت و تاج دولت  
کہ م سے مرغاد کا کو میرے دے عرشِ عالی تلکِ رسائی  
یہ وہ خوشی ہے اے عزیزو کہ جس کے دُفعِ نظر کے خاطر  
ہیچیندا انجم نثار کرنے کو صبحِ دولت چین میں آئی

۱۔ کلمہ تحقیر۔ ۲۔ کالادانہ جس کو نظر بد کے دفع کے لئے جلاتے ہیں

الہی آباد رکھ جہاں میں نواب غوث خاں کو  
 کہ جس کے اقبالِ انوری سے ہے دینِ احمد کی روشنائی  
 ندائے جشنِ جلوس سن کہ ہر ایک مومن دعا کے خاطر  
 کمالِ فرحت سے کر رہا ہے جناب باری میں جبہ سانیؔ

### فیاضی

نواب غوث خاں اپنے وقت کے حاتم تھے۔ ان کے دروازے سے  
 کوئی محروم نہیں لوٹتا تھا۔ آمدنی ناکافی تھی۔ ساہوکاروں کے ہمیشہ قرض دار  
 رہے۔ لاکھوں کا قرض تھا۔ والا جا ہی خاندان کے ایک معزز فرد پر دفسر  
 محبوب پاشا صاحب نے نواب محمد غوث خاں کی فیاضی اور سخاوت کا  
 ایک قصہ راقم الحروف کو بتایا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن نواب موصوف  
 کے حقہ بردار نے نواب صاحب سے کہا ”سرکار! میں نے ایک لاکھ روپے  
 نہیں دیکھے۔“ نواب صاحب نے کہا ”اچھا، پہلی تاریخ کو جب کچنی  
 سے رقم آئے گی، دکھاؤں گا۔“ جب رقم آئی حقہ بردار کو طلب کیا اور  
 کہا ”دیکھ یہ ہیں ایک لاکھ۔“ حقہ بردار نے جھک کر نواب غوث خاں بہادر

کو سلام کیا۔ نواب موصوف نے یہ سمجھا کہ شاید اس نے یہ خیال کیا کہ رقم اُسے دے دی گئی ہو جب ہی تو یہ اتنا خوش نظر آ رہا ہے۔ نواب صاحب نے کہا ”اچھا لے جا“۔ کہتے ہیں گھر پہنچنے تک خوشی سے حقہ بردار مر گیا۔ اس کے وارثوں نے اس کی قبر پر ایک مقبرہ بنا دیا۔ یہاں اب امیر النساء بیگم کا مقبرہ ہے۔ یہ علاقہ اب راما راؤ کا باغ کہلاتا ہے۔ وہیں ”ایک لاکھ کا انڈیا“ (گنبد) بھی ہے۔ پروفیسر محبوب پاشا کا بیان ہے کہ ان کے بچپن تک بھی یہ مقبرہ اسی نام سے موسوم تھا۔ لیکن اب یہ نام مفقود ہو گیا ہے۔

مدرسہ کے مشہور شاعر محمد علی الفتن نے اپنی مثنوی ”گلزار اعظم“ کی ابتداء میں نواب محمد غوث خاں کی بڑی تہنیت کی ہے۔ نواب ممدوح کی فیاضی کا ذکر الفتن ان اشعار میں کرتے ہیں :-

جہاں اس کو بولے ہے نواب خاں	نہیں بلکہ ہے وہ رئیس جہاں
امیر و فقیر اس کی دہلیز پر	بہ جان ہیں کھڑے سارے بستہ کمر
مبارک جو دیام ہوئے یہ آئے	سخی ایسا ہم حاکم وقت پائے
نرد و تازہ باغ سخا کو کیا	طراوت ریاض عطا کو دیا

اگر آفے دینے پواس کا مزاج بدل دے کلاہ فقیری پہ تاج  
 یہ کچھ اُس کا پاکیزہ دستور ہے رفائیت خلق منظور ہے  
 اُسی کو ہے داد دہش برقرار لیا ایک چاہا سو لاکھوں ہزار  
 اُسی کی کرامت سے ہے بالیقین جو محتاج کوئی کسی کا نہیں لے

بہمی کے مشہور کوکنی شاعر غلام علی نے "تحفہ اعظم" کے نام سے ایک  
 ضخیم مثنوی ۱۲۶۲ھ میں نظم کی تھی۔ اور اُسے نواب غوث خاں نام سے منسوب  
 کر کے بہ ذاتِ خود نواب موصوف کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کے صلے  
 میں وہ کافی انعام و اکرام سے نوازے گئے تھے۔ اس مثنوی میں علی نے  
 نواب اعظم کی سخاوت کی بڑی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ ہر محلے اور  
 ہر شہر میں ان کی فیاضی اور غرباء پروری کے چرچے تھے۔

وہ ہے کون نواب گیتی ستان خداوندِ جاہ و حشم غوث خاں  
 ہے مدر اس زیرِ نگیں اس کے سب کہ مشہور ہے دارِ علم و ادب

۱۔ محمد علی الفت : مثنوی گلزار اعظم (قلمی) اورینٹل منسکرپٹ لائبریری حیدرآباد  
 نمبر ۱۳۰ مثنوی۔

۲۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی : بہمی میں اردو صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ بہمی ۱۹۷۷ء



یہ ممدوح کی اس کے توصیف ہے کہ اک دن دُشالے دئے سات سے  
 اس کی بخشش کا ہے یہ مار کہ ایک دن میں بخشے خزانے ہزار  
 محلے محلے کسی کا ہے نام پر ہر شہر تک اسی کا ہے فیض عام  
 یہ وہ ہے سخی نہیں سخی جس کے گرد ہے نام اس کا جان کر میوں کا ورد  
 کروں اس کی بخشش کہاں تک رقم ہے حاتم کا دل جس کے زیرِ قدم  
 نواب اعظم اپنے استاد سید ابو طیب خان والا کے بڑے قدر دان تھے۔  
 اور ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک بار نواب اعظم نے ان کو ازراہ  
 قدر دانی چاندی سے تلو اکر سب چاندی انھیں کو بخش دی۔ یہ بڑے لیم و شیم  
 آدمی تھے۔ ان کا وزن آٹھ ہزار روپیہ عالم گیری سے کچھ زیادہ ہی ہوا تھا بلکہ  
 مشنوی "اعظم نامہ" میں بھی جوہر نے نواب محمد غوث خاں اعظم کی سخاوت  
 اور فیاضی کی بڑی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ نواب اعظم کی سخاوت  
 فیاضی کی اتنی شہرت تھی کہ دور دور سے لوگ ان کے دربار میں حاضر ہوتے

۱۔ غلام علی علی : مشنوی تحفہ اعظم (تلمی) کتب خانہ عثمانیہ رینورسٹی

۲۔ سید مرتضیٰ بینش : اشارات بینش صفحہ ۱۸۱

اور اپنا دامن بھر لیتے تھے۔ ان کا فیض عام تھا۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب ہی ان کی سخاوت و داد و دہش کی وجہ سے ہمیشہ فیض یاب ہوئے۔

### مشغلے اور دلچسپیاں

نواب محمد غوث خاں اعظم کے مشغلوں اور ان کی دلچسپیوں کے تعلق سے پروفیسر عبدالقادر سروری کا بیان ہے :

”محمد غوث خاں کی طبیعت میں آخری والی اودھ کی سی رنگارنگی تھی اور ان کی دلچسپیاں وسیع تھیں لیکن ان کی فضاء تنگ تھی۔ نئے نئے کھانے ایجاد کرنے کا انھیں شوق تھا۔ رنگ بعض لوگوں کے لئے طرح طرح کی کشش رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں محمد غوث خاں کو رنگریزی کا بھی شوق تھا۔ کبھی وہ مناظروں میں حصہ لیتے تو کبھی مشاعروں میں دلچسپی کا اظہار کرتے۔ انھوں نے تسلیم کی اشاعت اور ترقی کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو مدرسہ اعظم کے نام سے موسوم تھا۔“

نواب اعظم کی دوسری بہت سی دلچسپیاں تھیں۔ ان کے دن رات کے مشغلوں اور ان کی ذاتی دلچسپیوں کے تذکرے اس وقت کے مشہور اخبارات جامع الاخبار اور اعظم الاخبار میں موجود ہیں۔

### شکار خانہ کی تعمیر

نواب اعظم نے ایک شکار خانہ تعمیر کروایا تھا۔ شکار خانے کے قابل جانور لانے والوں کو دو گنی اجرت دی جاتی تھی۔ اعظم الاخبار میں اس سلسلے میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی تھی :

”ہم سنتے ہیں کہ ان دنوں مزاج مبارک جناب بندگِ تعالیٰ متعالیٰ مدظلہ العالی کا شکار خانہ تیار کروانے کی طرف مایل ہوا ہے جو لوگ کہ اس شکار خانے کے قابل جانور لادینگے البتہ ان کی محنت سے مضاعف (دو گنی) اجرت پاویں گے“۔

علم ولادت سے دلچسپی

نواب محمد غوث خاں بہادر نے چار عورتوں کو مدراس کے مشہور

ڈاکٹر اسکاٹ کے طبابت خانے روانہ کیا تھا۔ تاکہ وہ فن ولادت سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ اخراجات ضروری کی منظوری انھوں نے اپنی جیب خاص سے دی تھی۔ ”اعظم الاخبار“ نے اس واقعہ کی اطلاع سکرکیولیٹر کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے:

”سکرکیولیٹر میں سمجھا ہے کہ حضور پرنور نے چار عورتوں کو ڈاکٹر اسکاٹ کے طبابت خانے (HOSPITAL) میں روانہ فرمایا تاکہ یہ قبالت یعنی جنانے کے فنون اچھی طرح سیکھ جاویں۔ اخراجات ضروری بھی جیب خاص سے مقرر ہو چکے اب بطفیل حضور کے تنخواڑے دنوں میں یہ عورتیں لائق ہونگئیں۔“

### ریس کا شوق

مدرسہ میں سال میں ایک بار گھوڑوں کی ریس (گھوڑ دوڑ) ہوتی تھی جس میں نہ صرف شہر کے امراء بلکہ غرائب بھی تماشا دیکھنے جمع ہوتے تھے۔ نواب محمد غوث خاں بہادر بھی اپنی بگلمات کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ نواب موصوف کی اس حرکت پر اعتراض کرتے ہوئے مدرسہ

کے 'جامع الاخبار' نے ایک سخت اداریہ سکھا تھا جو اس کی جلد ۱۲ نمبر ۳  
مورخہ یکم نومبر ۱۸۵۱ء کو شائع ہوا تھا۔

### شعبہ بازی کا شوق

نواب محمد غوث خاں کی خدمت میں فرانسسیسی شعبہ بازیوں نے  
باریاب ہو کر انواع و اقسام کے شعبے بتائے تھے جنہیں نواب موصوف  
نے بے حد پسند کیا اور اپنی سرکار میں ملازم رکھ کر چند اردیوں  
(ORDERLY) کو تعلیم و تربیت کے لئے ان کے سپرد کر دیا تھا۔ 'اعظم الاخبار'  
میں اس واقعہ کی تفصیل یوں شائع ہوئی تھی :

”یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے رئیسِ نامدار کا مزاج روشن  
جس فن کی طرف مائل ہو سو آخر اسکو کمال کو پہنچائے لگے دوسری جانب  
ملتفت نہیں ہوتا۔ چنانچہ کئی صنایع و کمال اسی طرح حاصل فرما کر آپ  
جمع الکمال بن نکلا۔ ان دنوں چند فرانسسیسی شعبہ بازی (JUGGLERS)  
حضور میں باریاب ہو کر انواع و اقسام کے شعبے بتلا ہزاروں روپے  
سے سرفراز ہوتے تھے۔ بارے حضور کو وہ بھی خیال ہوا، اس شعبے باز  
کو سرکار میں نوکر رکھ کے چند اردیوں کو تعلیم و تربیت کے لئے اسکے ذمے

کر دیئے، تنقوڑے دن نہیں گزرے کہ وے لوگ سارے شہدے اُس کے  
 سیکھ جا سکے اس فن میں کامل ہو چکے از انجملہ مجید خاں نامی آردلی اس فن میں  
 اپنے استاد کا ہم پہلو ہوا۔ چنانچہ منگل کی شب "رشک آرم" اس کی  
 تماشاسازی کی محفل آراستہ تھی سو وہاں گورنمنٹ اجنٹ بھی تشریف  
 لائے تھے اس شب بینک تماشے ہوئے سب لوگ اس تماشے کو دیکھنے سے  
 حیران ہو گئے۔

"اعظم الاخبار" آگے چل کر لکھا تھا:

"اب سنتے ہیں کہ اس فراموشی استاد کو حضور سے دو ہزار روپے اور  
 دو سالے دو زرین دوپٹے انعام ملے اور رخصت بھی ہوئی"۔  
 مولوی صفی الدین کا بیان ہے کہ نواب اعظم کو سرکس دیکھنے کا بڑا  
 شوق تھا۔ سرکس میں ورزش کرنے والے بچوں کے لئے بنارس کی کمنداب کا  
 زرین اور ریشمی لباس بنایا گیا تھا۔

---

۱۔ اعظم الاخبار نمبر ۱۷ جلد ۵ مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۵۲ء

۲۔ صفی الدین: تبصرہ بر ملک کرناٹک صفحہ ۵ مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی ۱۳۶۸ھ

## پتنگ بازی اور آتش بازی کا شوق

نواب محمد غوث خاں بہادر زمانہ طفلی میں مسند نشین ہوئے تھے۔ بچپن اور کم عمری کی وجہ سے لہو لصب کی طرف بہت زیادہ مائل تھے۔ بچپن اور عنفوان شباب میں انھوں نے پتنگ بازی میں بہت سارا روپیہ صرف کیا۔ اس کے علاوہ آتش بازی کے مظاہروں سے بھی وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ آتش بازی میں مختلف رنگ پیدا کرنا اس زمانے میں مروج نہیں تھا۔ انہوں نے اس کی ایجاد میں بہت سارا روپیہ خرچ کیا۔

### عمدہ کھانوں کی ایجاد

نواب محمد غوث خاں اعظم کے ندیم خاص و میر بخشی فوج نواب قادر مرتضیٰ احسین سالار الملک کے فرزند مولوی صفی الدین جو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ناظر مذہبی تھے بیان کرتے ہیں کہ نواب محمد غوث خاں بہادر نے عمدہ کھانے اچار، مربہ، مٹھائیاں بنانے کے لئے نئے آلات اور ظروف ایجاد کروائے۔ انہیں عمدہ اور بامزہ غذا بہت مرغوب تھی۔ ان کے مطبخ کے خاص کھانے

بے نظیر ہوتے تھے۔ کھانا تیار کرنے کے طریقوں میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے انہیں خاص دلچسپی تھی۔ ان کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے موجود ہوتے اور ان میں بعض ایسے تھے جو صرف مدراس کے نواب کے باورچی خانے میں تیار کئے جاتے تھے۔ اور اس کے لئے کثیر رقم صرف کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں کپڑوں کو رنگ دینے میں بھی مہارت تھی۔ اس سلسلے میں بہت سی ایجادیں ان سے منسوب ہیں۔ مختصر یہ کہ نواب محمد غوث خاں اعظم کی گوناگوں دلچسپیاں اور ان کے اسراف کے قصے اُس وقت مدراس میں خاص و عام تھے۔

### چاندی کا تخت

نواب محمد غوث خاں بہادر نے اپنے جلوس کے لئے چاندی کا تھیس تخت بنوایا تھا۔ ان کے حکم سے عمدہ عمدہ گاڑیاں بھی بنائی گئیں تھیں۔ جن میں بارہ گھوڑے جوتے جاتے تھے۔

### ولایتی سامان اور عمدہ کوٹھیلیوں کی خریدی

نواب محمد غوث خاں بہادر یوروپین سوداگروں کے ذریعے سے مختلف



اقسام کا ولایتی سامان خریدا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یورپین تجارتی مدراس میں عمدہ کوٹھیاں بنواتے اور یہاں سے جاتے وقت فروخت کر دیتے تھے۔ نواب صاحب نے اس قسم کی کئی کوٹھیاں خریدی تھیں بلکہ

### میلاد النبی و نیاز پیران پیر

نواب محمد غوث خاں بہادر کو اولیاء کرام سے بڑی عقیدت تھی۔ خاص کر میلاد النبی یا ربیع الاول کے بارہ وفات اور ربیع الثانی کی گیارہویں نیاز پیران پیر بہت اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر دربار میں دعوت عام کا اہتمام کیا جاتا، جشن منعقد کئے جاتے اور نعتیہ و منقبتہ، قصاید اور نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔ ربیع الثانی کی تعاریب کے سلسلے میں ”جامع الاخبار“ مدراس نے ایک اطلاع شائع کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فاتحہ کی تقریب بڑے کد و فر کے ساتھ نواب محمد غوث خاں بہادر رئیس کزنائیک کے کلس محل میں انجام دی جاتی تھی۔ انواع و اقسام کی نعمتیں تیار کروائی جاتیں اور غریب امیر اس سے مستفید ہوتے۔ اسی اخبار

نے آگے چل کر لکھا ہے کہ ربیع الاول کے مہینے کی تقاریر کا بھی اسی طرح  
استہام کیا جاتا تھا۔ نواب اعظم عادت آبادی کے موافق حدیث شریف کی مجالس  
آراستہ کر دیتے اور خود ان مغللوں میں شریک ہوا کرتے تھے بلکہ

### عید کی مصروفیات

مدرس کے اخبارات خصوصاً اعظم الاخبار، جامع الاخبار، تیسرا اخبار وغیرہ  
نواب اعظم کی عید کی مصروفیات اور ان کا پیر و گرام شائع کیا کرتے تھے۔ ان  
کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے روز علی الصبح چھپاک کے بڑے  
باغ سے اکیس توپ سر ہوتی تھیں۔ نواب اعظم ہر سال عید کے موقعوں پر  
نہایت شان و شوکت کے ساتھ کبھی ہاستی کی عماری پر اور کبھی گھوڑوں کی  
گاڑی میں جس کے آگے پیچھے مسلح باڈی گارڈ ہوتے، مسجد والا جاہی تشریف  
لاتے تھے۔ نماز سے فراغت پانے کے بعد ”بہایوں محل“ میں رونق افروز  
ہوتے، تخت مبارک پر جلوس فرماتے اور اہل دربار، معزز امراء اور دوسرے  
مستحق افراد کو خطاب، پاکسی اور نوبت سے سرفراز کرتے تھے بلکہ

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جامع الاخبار نمبر ۱۵ جلد ۱۳ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۸۵۲ء  
۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جامع الاخبار نمبر ۳۰ جلد ۱۳ مورخہ ۳ جولائی ۱۸۵۲ء نیز  
اعظم الاخبار نمبر ۳۰ جلد ۵ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۵۲ء اور تیسرا اخبار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۵۲ء

## سال گرہ ہمایونی

نواب اعظم کی سال گرہ کی تقاریب بھی ہر سال بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں۔ مدراس کے اخبارات سال گرہ تقاریب کی رودادیں شائع کیا کرتے تھے جن سے معلوم ہوتا ہے سال گرہ کے روزِ نوبت بے بگوشتن کی دعوت میں شرکت کرنے کیلئے ”ہمایوں علی“ میں جمع ہوتے تھے۔ نواب اعظم گیارہ بجے کے قریب تشریف لاتے۔ تختِ مبارک پر جلوس فرماتے، خطابات عطا ہوتے، پھر اراکینِ دربار قانون کے مطابق نذر گزارتے۔ مجلسِ ضیافت آراستہ ہوتی۔ اعظم الاخبار ”رئیسِ نامدار“ و ”فرماں روا“ عالی اقتدار کی عمر و اقبال میں برکت کی دعا کرتے ہوئے نکھتا ہے کہ ایک جہاں کی سرفرازی ان ہی کی ذات سے متعلق ہے۔

## انگریز مورخوں کے اعتراضات

سر ولیم ہنٹر نے اپنی مشہور تصنیف ”مارکوئس آف ڈیلیہوزی“ میں نواب محمد غوث خاں بہادر اور ان کے اہل خاندان اور اہل دربار پر سنگین الزامات

لگائے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :

۱: نواب اعظم نے نہایت شرمناک زندگی گزاری . طوائفوں کی صحبت نے انہیں کہیں کا نہیں رکھا تھا .

۲: ان کا دربار ذلیل ترین حرکات کا منبع بنا ہوا تھا .

۳: نواب اعظم اور ان کے خاندان نے اپنے وقار پر بدنامیوں کے داغ لگائے اور خزانہ عامرہ سے جو رقم ان کو ملتی تھی اس کو بدکاریوں میں صرف کرتے تھے ۔

نواب محمد غوث خاں بہادر اگرچہ بڑے فیاض اور سخی تھے . یہ بھی درست

ہے کہ ان کی فضول خرچیوں نے انہیں قرض دار بنادیا تھا . لیکن ان کی زندگی

"شرمناک" اور ان کا دربار "ذلیل ترین حرکات کا منبع" نہیں تھا جیسا کہ

انگریز مدبروں نے لکھا ہے . یورپین امراء کی عمدہ کوٹھیاں خریدنا ، قیمتی گاڑیوں

کا شوق ، اپنے جلوس کے لئے چاندی کا تخت بنوانا وغیرہ شانِ حکومت کے لئے

تھا . نواب اعظم کی فضول خرچی اور اسراف کو روکنے کی آخری زمانے میں

گورنمنٹ ایٹ انڈیا کمپنی نے بہت کوشش کی . اگر وہ شروع سے ایسا کرتے تو

جو رقم خزانہ عامہ سے نواب کو ملتی تھی وہ غلط کاموں میں صرف نہ ہوتی ۔  
 اور اُن کے قرضوں کے تصفیہ کے لئے محل کا سارا اسباب ، کتب خانہ ،  
 سنہری تخت ، دارالامارہ کا سارا اسباب ، بنگلے ، کوٹھیاں ، اور باغات کا عام  
 نیلام نہ ہونا ۔

مولوی صفی الدین ناظر مذہبی کتب درسیہ جامعہ عثمانیہ نے نواب  
 محمد غوث خاں پر انگریز مورخین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھا  
 ہے کہ نواب اعظم کو اگرچہ ناچ گلنے کا بہت شوق تھا جو خلاف شرع ہے  
 لیکن اکثر مسلمان امراء و سلاطین میں اس کا رواج عام رہا ہے۔ اس ایک  
 الزام پر ان کو ذلیل کرنا اُن مورخوں اور مصنفوں کو زیب نہیں دیتا۔ نواب  
 اعظم کی زندگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ بڑے راسخ الاعتقاد اور بڑی  
 پاکیزہ صفت مسلمان تھے۔ انھوں نے یا اُن کے کسی درباری یا خاندان کے  
 کسی فرد نے کبھی کوئی نشہ آور چیز استعمال نہیں کی۔ جو اہل علم اس وقت  
 دربار ارکاٹ میں جمع تھے اُن کی مثال زمانہ آج تک پیش نہیں کر سکا بلکہ

## ازواج

نواب محمد غوث خاں بہادر نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی ۲۶ رجب ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۸ جون ۱۸۴۸ء کو بڑی دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام سے نواب خیر النساء بیگم سے ہوئی۔ بیگم صاحبہ کے آباد اجداد سرکار آصفیہ میں امرائے معزز و نامدار تھے۔ ان کے دادا کو ضیاء الدولہ بہادر کا اور ان کے والد کو ضیاء الملک بہادر اور ان کے نانا کو نواب خاں خاناں نظام یار جنگ اور ان کے ماموں کو نواب فخر الملک بہادر کا خطاب حاصل تھا۔ جوہر نے اپنی مثنوی میں شادی کی ساری تفصیلات دی ہیں۔ اس کے علاوہ اعظم الاخبار مدراس کی پہلی جلد کے پہلے شمارے مورخہ ۶ جولائی ۱۸۴۸ء میں جو مدراس کے کتب خانہ مدرسہ محمدی رانی پیٹ میں محفوظ ہے شادی کی پوری تفصیلات دی گئی ہیں۔

پروفیسر یوسف کوکن نے بتایا ہے کہ اس شادی کے اخراجات کے لئے نواب اعظم نے ایٹ انڈیا کمپنی سے ۱۶ ربیع الثانی ۱۲۶۲ھ کو تین لاکھ روپے

اور پھر ۲۵ رجب ۱۲۶۴ھ کو مزید ایک لاکھ روپیہ لیا۔ لیکن پروفیسر کوکن نے اس شادی کو نواب اعظم کی دوسری شادی کا واقعہ بتایا ہے بلکہ حالانکہ یہ ان کی پہلی شادی تھی۔

نواب اعظم کی محل خاص نواب غیر النساء بیگم ایک نیک فیاض خاتون تھیں۔ ان کی بنائی ہوئی مسجد اور مدرسہ مدراس کے مشہور محلے جام بازار میں آج بھی موجود اور آباد ہے۔ نواب اعظم کی وفات کے بعد نواب خیر النساء بیگم کو ایٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے چھ ہزار ماہانہ پنشن مقرر ہوئی تھی۔ نواب خیر النساء بیگم کا ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں انتقال ہوا اور نواب اعظم کے پائیں دفن ہوئیں۔ نواب اعظم کو ان سے کوئی اولادِ نرینہ نہیں ہوئی۔ لیکن مدار الامر کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب اعظم کو ان سے ایک لڑکی ۲۴ جمادی الآخر ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو ہوئی اس لڑکی کی رسمِ فطام ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو انجام پائی تھی۔

۱۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ صفحہ ۲۹۳

۱۹۳۳ء

۲۔ محمد حسین محوی۔ نواب اعظم اور مشاعرہ اعظم۔ صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ رسالہ اردو پریس

## دوسری شادی

نواب اعظم کی دوسری شادی ۲۷ ذوالحجہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۴۸ء کو اعظم النساء بیگم سے ہوئی۔ لیکن عوام میں اعظم النساء بیگم "جہانگیر حیدر آبادی" کے نام سے مشہور تھیں۔ "جامع الاخبار" ہمیشہ اپنے شماروں میں اعظم النساء بیگم کا ذکر طنزیہ انداز میں کرتا تھا۔ کبھی انھیں "مشتوقہ جہانگیر" کبھی "جہانگیر حیدر آبادی" تو کبھی "بت بنارسی" لکھا کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب اعظم اعظم النساء بیگم کو بے حد چاہتے تھے۔ کیونکہ ۱۳ دسمبر ۱۸۵۳ء کے شمارے میں "جامع الاخبار" نے یہ اطلاع شائع کی تھی کہ نواب صاحب "ان دنوں زلف سنبل بت بنارسی کے دام محبت میں گرفتار رات دن اپنے "حجرے" میں پڑے رہتے ہیں اور جب دل چاہے باغ میں بھاگتے کھیلنے پھرتے ہیں۔"

نواب اعظم کو اعظم النساء بیگم سے ایک لڑکی ۱۲ جمادی الاول ۱۲۶۸ھ کو تولد ہوئی۔ نواب مدار الامراء کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کی رسم نظام ۱۳ رجب ۱۲۷۰ھ کو ہوئی تھی۔

نواب اعظم کی وفات کے بعد اعظم النساء بیگم کو چار ہزار روپے ماہانہ ایٹ انڈیا کمپنی سے پنشن مقرر ہوئی تھی۔ مولوی محمد حسین محوی کا بیان



ہے کہ اعظم النساد بیگم کا ۲۴ جمادی الاول ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۸۸ء کو انتقال ہوا ہے

نواب اعظم کو ان دونوں بیویوں سے کوئی اولاد نہ رہی تھی اس لئے انگریزی حکومت نے 'خطاب' 'استحقاق حکومت' اور 'مشتیات خاندان' سب ختم کر دیے۔ اس طرح نواب اعظم کی وفات پر اس برائے نام امارت و اقتدار کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

### وفات

نواب اعظم نے صرف بتیس سال کی عمر میں ۲۴ محرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۵ اکتوبر ۱۸۵۵ء کو اچانک انتقال کیا۔ بعد انتقال مغفور کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سرغیب مشہور تاریخ رحلت ہے یہ ۱۲۷۲ھ

مولوی صفی الدین کا بیان ہے کہ قرض خواہوں کی کاوش گورنمنٹ کی تہدید (دھمکانے) سے نواب اعظم کو اختلاج قلب کا مرض پیدا ہو گیا تھا یہ

۱۔ محمد حسین محوی: نواب اعظم اور مشاعرہ اعظم صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۳ء  
 ۲۔ خیر الدین خاں: اساس ریاست کرناٹک صفحہ ۳۳  
 ۳۔ صفی الدین: تبصرہ بر ملک کرناٹک صفحہ ۶

جامع الاخبار نے بھی نواب صاحب کے "کثرت غفلت اور شدت خفقان" میں مبتلا ہونے کی خبر شائع کی تھی لہٰذا جوہر نے اپنی مثنوی "اعظم نامہ" میں نواب اعظم کی وفات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس مثنوی سے کئی ایسی باتوں کا علم ہوتا ہے جو کسی تذکرے میں نہیں ملتیں۔ جوہر بیان کرتے ہیں کہ نواب اعظم کی وفات سے کچھ دن پیشتر "مسجد کلاں" پر بجلی گری، اس واقعہ کی جب نواب اعظم کو اطلاع ملی تو انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ مایوسی کی باتیں کرنے لگے۔ ایک رات وہ سخت بے قرار رہے۔ صبح سویرے طبیب مسیح الدولہ خاں کو بلانے کا حکم دیا۔ خادم ان کے پاس دوڑے لیکن حکیم مسیح الدولہ خود نہیں آئے اپنے بیٹے کے ہاتھ سے دوا روانہ کر دی، نواب اعظم مسیح الدولہ کے لڑکے سے ناراض تھے۔ اس لئے دوبارہ مسیح الدولہ کے پاس آدمی روانہ کیا گیا۔ جب وہ آئے نواب اعظم کی بے قراری کو دیکھ کر خفقان کے مرض کا شبہ ظاہر کیا اور کہا کہ کسی بیماری کا نام و نشان نہیں ہے۔ نواب اعظم نے قصد پر اصرار کیا۔ وہ اپنے ہاتھ پر پیٹ باندھے ہوئے تھے۔

لیکن مسیح الدولہ فصد پر راضی نہ ہوئے اور تین دن تک توقف کرنے کو کہا۔ اس پر نواب اعظم بہت رنجیدہ ہو گئے۔ ہاتھ پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی۔ اور کہا "میں اب زندہ نہیں رہوں گا" اسی تکلیف میں مرجاؤں گا؛ پھر اپنے دیوان مولوی عبد الوہاب مدار الامر کو بلا کر وصیت کی کہ میرے سارے قرض ادا کر دیجئے کہ کل محشر کے دن مجھ پر کسی کا کچھ دعویٰ نہ رہے۔" اس کے بعد قرآن مجید منگایا اسے بوسہ دے کر اپنے سینہ سے لگایا اور کئی بار اپنی آنکھوں سے لگایا۔ پھر سورہ یسین پڑھنے اور دم کرنے کی خواہش کی۔ وہ بار بار کلمہ پڑھ رہے تھے۔ ان کی حالت ابتر ہو رہی تھی، جسم کبودی رنگ اختیار کر رہا تھا اور رخسار زرد پڑ گئے تھے۔ ایسی حالت میں بھی انہوں نے اپنی عمل خاص اپنے چچا اور دادی کو یاد کیا۔ اور انہیں بلانے کی خواہش کی لیکن ان لوگوں کے آنے سے پیشتر ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ جو ہرنے آخر میں بتایا کہ نواب اعظم کی موت پر ٹونا، جادو اور زہر دینے کا شبہ کیا گیا۔ پروفیسر محبوب پاشا صاحب جو خاندان والا جاہی سے تعلق رکھتے ہیں راقم الحروف کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "نواب اعظم کم سنی میں مندرشتین ہوئے بالغ ہونے تک ان کے چچا نواب عظیم جاہ ان

کے سر پرست بنے رہے۔ جب چچا کی سرپرستی ختم ہو گئی تو چچا بھتیجے میں  
آخر تک چشمک رہی۔ مرنے سے قبل نواب اعظم کی زبان پر یہ شعر تھا۔

نہ تھے میرے مرنے کے یہ دن ندیم  
مجھے زہر دے کر پہنچے مارا حکیم

نواب اعظم کے انتقال کے بعد جب انگریزوں نے عظیم جاہ سے یہ دریافت  
کیا کہ میت کب اٹھائی جاتی ہے مطلع کیا جائے تاکہ سرکاری طور پر جنازے کے لئے  
باقاعدہ انتظام کیا جاسکے۔ تو نواب عظیم جاہ نے صاف کہہ دیا کہ میرا ان سے کوئی  
تعلق نہیں تھا، سرکار جو چاہے کرے کہتے ہیں کہ انگریزوں نے اتنی دھوم سے  
نواب اعظم کا جنازہ اٹھایا کہ پھر کسی نواب کو یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا۔ فوج  
باڈی گارڈ اور سرکاری بیانڈ سائڈ تھا۔ نہایت شان و شوکت کے ساتھ  
کلس محل سے مسجد والا جا ہی تک لاش پہنچائی گئی۔ انگریزوں نے غل پر پہرے  
بٹھائیے۔ دفتر پیریل لگادی۔ نواب عظیم جاہ نے مداخلت کی تو کہہ دیا تم تو  
بالکل بے دخل تھے تم نے تو مرحوم کے وارث ہونے سے انکار کر دیا پھر اب کس  
طرح اپنا حق جتا رہے ہو۔ پروفیسر محبوب پاشاہ کہتے ہیں کہ قرآن سے یہ واضح  
ہوتا ہے کہ نواب اعظم کو زہر دینے میں نواب عظیم جاہ یا ان کے نادان ہمدردوں

کا ہاتھ رہا ہو گا۔

## یادگاریں

نواب محمد غوث خاں بہادر اہل فن و ارباب کمال کے بڑے قدردان اور انتہائی فیاض شخص تھے۔ مذہبی کاموں میں ہمیشہ بڑی دلچسپی سے حصہ لیتے تھے۔ اور ہزاروں روپے ربح الاول اور ربح الثانی کے ہمنیوں کی تعاریب پر خرچ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رابطیں بھی تعمیر کروائیں۔ لنگر خانہ بیوہ جو مفلس اور نادار عورتوں کی امداد کی غرض سے قائم کیا گیا تھا اس کو ماہانہ کثیر رقم بطور امداد دی جاتی تھی۔ ۱۲۶۱ھ تا ۱۲۷۵ھ میں جارج ٹاؤن مدراس میں ایک عید گاہ بھی تعمیر کروائی تھی۔ 'مدرسہ اعظم' اور کتب خانہ عام اہل اسلام (MOHAMMADAN PUBLIC LIBRARY) مدراس آپ کی علم دوستی اور فیاضی کی زندہ یادگاریں ہیں۔

مدرسہ اعظم

نواب اعظم نے مدراس کی علمی و ادبی ترقی میں گراں قدر حصہ لیا تھا۔

لے پروفیسر محبوب پاشا کے ایک خط کا اقتباس: یہ خط راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

انہوں نے ۱۸۴۹ء میں ”مدرسہ اعظم“ قائم کیا اور اپنے جیب خاص سے اس کے لئے سالانہ بارہ ہزار روپے منظور کئے تھے۔ یہ اس زمانے کے لحاظ سے ایک کثیر رقم سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ اس وقت کے انگریز ایجنٹ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے بھی اس کا اعتراف کیا تھا۔ اور اپنی ایک تقریر میں اس حقیقت کا اظہار یوں کیا تھا :

”حضور (یعنی نواب اعظم) اپنی عنایت و فیض رسانی سے

تمہارے عالم بے علمی و جہالت پر ترحم فرما کر مدرسے کے اخراجات کے لئے ماہوار ایک ہزار روپے مرحمت فرماتے ہیں... انگریزی سرداران جو حاضرین مجلس ہیں اس بات سے واقف ہیں کہ تم تمام فرنگستان میں جستجو کریں تو کسی بادشاہ کو نہ پاؤ گے جو اپنے ذاتی پیسوں سے ماہوار ہزار روپے کسی مدرسے کے لئے دیتا ہے۔“

اس مدرسہ کے قیام کا مقصد عوام کو ”مہذب“ بنانا اور مدراس کے باشندوں کو ”علوم متفرقہ والہ متنوعہ“ کی تعلیم دینا تھا۔ قاضی بدرالدولہ

مدرسہ اعظم کے میر مجلس اور شیریں سخن خاں راقم صدر مدرس بنائے گئے تھے۔  
 اور مجلس نظامیہ میں مولوی عبدالوہاب مدار الامراء، قاضی ارتضاء علی خاں،  
 رئیس الامراء، دبیر الملک، منشی الملک، سالار الملک، نواب صدارت خاں  
 اور ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور اراکین کی حیثیت سے مقرر کئے گئے تھے۔ مدرسہ اعظم میں  
 مسلمان طلباء کے لئے "علوم متفرقہ و السنۃ متنوعہ" کی تعلیم سے پہلے فقہ و  
 عقاید کا علم حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا تا کہ طلباء دنیاوی علوم سے پہلے  
 دین اسلام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور دینی تعلیم  
 کے حامی نہیں تھے ان کی کوششوں سے جب "مدرسہ اعظم" میں مختلف السنہ جیسے  
 انگریزی، تامل اور تلگو کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ قاضی بدر الدولہ نے اس کے  
 خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ بالآخر انہوں نے مدرسہ اعظم کی بدلی ہوئی  
 پالیسی سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اس کی میر مجلسی سے ۹ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ  
 کو استعفیٰ دے دیا۔ جسے نواب اعظم نے بڑے پس و پیش کے بعد ۲۳ جمادی الثانی  
 ۱۲۶۹ھ کو قبول کر لیا۔ ان کی جگہ ان ہی کے خاندان کے ایک محرز فر و حاجی قادر مرٹضیٰ  
 حسین سالار الملک مدرسہ اعظم کی مجلس نظامیہ کے صدر مقرر ہوئے۔ مدرسہ  
 اعظم کی ترقی میں نواب سالار الملک نے گراں قدر حصہ لیا چنانچہ پروفیسر برف

کوکن رقم طراز ہیں :

”مدرسہ بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمان علماء و فضلاء اور امراء میں سالار الملک بہادر پہلے شخص ہیں جنہوں نے انگریزی تعلیم کی حمایت اور سرپرستی کی۔ انہوں نے اس زمانے میں اس کی حمایت کی جب کہ سرسید احمد خاں مرحوم ابھی تک اس میدان میں گامزن بھی نہیں ہوئے تھے۔“

نواب سالار الملک نے ہمیشہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھا اور علم کی اشاعت میں ہمیشہ مشغول رہے۔ ان کا سماجی نقطہ نظر یہ تھا کہ دینی اور دنیوی زندگی کو ہم آہنگ کیا جائے۔ ہندوستانی مسلمان اور بالخصوص جنوبی ہند کے مسلمان اپنے دیکھے ہم وطنوں سے پیچھے تھے جس کی وجہ سے وہ معاشی اور تعلیمی اعتبار سے بھی پس ماندہ تھے۔ نواب سالار الملک نے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ دینی اور دنیاوی زندگی میں کوئی تضاد نہیں۔ دونوں میں کمال حاصل کرنے کی سعی کرنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ دنیاوی ضروریات کے لئے علم و ہنر حاصل کرنا وقت کی ایک ایسی اہم ضرورت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔



علم دنیا اور علم دین دونوں ایک دوسرے کی تقویت کا سبب بنتے ہیں۔

غرض قاضی بدرالدولہ، مولوی عبدالوہاب مدار الامراء اور دوسرے علماء کی مخالفت کے باوجود نواب سالار الملک نے انگریزی تعلیم کی اشاعت اور فروغ کے سلسلے میں ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور کا ساتھ دیا۔ اس طرح مدرسہ اعظم نے خوب ترقی کی۔ اس مدرسہ کے وسیع احاطے میں ۱۹۱۸ء میں "محمدن کالج" قائم ہوا جو بعد میں "مسلم کالج" کہلایا اور اب "گورنمنٹ ایڈوانس کالج مدراس" کہلاتا ہے۔

### کتب خانہ عام اہل اسلام

نواب اعظم کے عہد میں مدراس میں کئی خانگی اور سرکاری کتب خانے موجود تھے لیکن جس کتب خانے نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی وہ "کتب خانہ عام اہل اسلام" ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور کی پرمزور تحریک کے باعث اس کتب خانہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ حکومت وقت کی نئی تعلیمی پالیسی کی بناء پر گورنمنٹ ایجنٹ ڈاکٹر بالفور نے مسلمانوں کو کتب خانے اور مدرسے قائم کرنے کی ترغیب دلائی تھی۔ چنانچہ ۲۲ رجب ۱۲۶۶ھ م ۱۸۴۹ء کو ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور اور شہر مدراس کی ذی اثر شخصیتوں جیسے عبدالوہاب مدار الامراء، قاضی ارتضواء علی خاں، خان عالم خان فاروقی، شہاب الدین اعظم الملک، محمود علی خاں

مشیر الدولہ، مرزا عبد الباقی و قیام محمد عبداللہ صدارت خاں، رئیس الامراء شیریں سخن خاں راقم وغیرہ کی کوششوں سے اس کتب خانے کا قیام عمل میں آیا۔ قاضی ارتضیٰ علی خاں میر مجلس مقرر ہوئے۔ نواب محمد غوث خاں اعظم، نواب غظیم جاہ اور گورنر مدراس سرہنری پانچمراس کتب خانے کے سرپرست بنائے گئے۔ جب نواب اعظم کے سامنے اس کتب خانے کی تحریک پیش کی گئی تو انہوں نے بخوشی اسے منظور فرمایا اور سات سو روپے عطیہ دیا اور کتب خانے کے لئے ماسہار پینتیس<sup>۳۵</sup> روپے مقرر کر دیئے تھے۔ نواب غظیم جاہ نے ڈھائی سو روپے عطیہ دیا تھا گورنر مدراس سرہنری پانچمراس نے پچھتر<sup>۴۵</sup> قیمتی کتابیں کتب خانے کے لئے بطور عطیہ دی تھیں۔ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور کی درخواست پر کلکتہ کے "ارباب کونسل آف ایجوکیشن" نے ایک سو اچھ عہدہ کتابیں روانہ کی تھیں۔ انفرادی عطیوں اور چندے کے ذریعہ سے نو سو پچھتر<sup>۸۴</sup> روپے وصول ہوئے تھے۔ عام اراکین نے اپنے طور پر پانچ سو تیرہ<sup>۵۱۳</sup> کتابیں جمع کروائی تھیں۔ کتب خانہ کے سرمایہ سے ایک سو چوبیس<sup>۱۴</sup> کتابیں خریدی گئیں اور الاجاہ روڈ پر ایک مکان نو سو بیس ماسہار کر ایہ پر لیا گیا۔ داروغہ کی تنخواہ دس روپے اور دو پیادوں کی تنخواہ پانچ پانچ روپے مقرر ہوئی۔ بعد میں داروغہ کی تنخواہ میں پانچ روپے کا اضافہ ہوا۔ اس

۱۔ پہلی روداد مجلس مخصوصہ عام۔ کتب خانہ عام اہل اسلام مدراس۔ مطبع اعظم الاخبار مدراس

کتب خانہ کی ترقی کے لئے مزید چندے جمع کئے گئے۔ نواب اعظم نے دو ہزار روپے، نواب عظیم جاہ نے دوسو روپے، عبدالوہاب مدار الامراء اور ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے پچاس پچاس روپے اور ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے سو روپے چندہ دیا تھا۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی چندے دیئے جس سے کافی رقم جمع ہو گئی تھی۔ اس کتب خانے نے خوب ترقی کی۔ یہ کتب خانہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے سارے ہندوستان میں بے نظیر تھا۔ دور دور تک اس کی شہرت پہنچ گئی تھی۔ ۱۳ فروری ۱۸۵۲ء کو ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ مدراس کے اہل اسلام کے لئے جو ایک کتب خانہ قائم کیا گیا ہے وہ ان کے لئے بڑی نعمت ہے۔ اس کی شہرت تمام ملکوں میں پہنچ چکی ہے۔ انھوں نے کہا تھا کہ یہ کتب خانہ پورے ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس کتب خانے کی شہرت مصر تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ بادشاہ مصر نے بھی اس کے لئے عمدہ، نادر عربی اور ترکی کتابیں روانہ کی تھیں۔ "اعظم الاخبار" میں یہ اطلاع اس طرح شائع ہوئی تھی :

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، روداد مجلس مخصوصہ عام شرکائے کتب خانہ عام اہل اسلام مدراس مطبوعہ اعظم الاخبار

”مدرس کے کتب خانہ عام اہل اسلام کی ترقی کے لئے بادشاہِ مصر نے دوسو چالیس پرکئی جلد عمدہ عمدہ کتابوں کے بطور عطیہ روانہ فرمایا، سو کتب خانے میں آہنیچے۔ سب فقط عربی اور ترکی کتابیں ہیں جو اکثر انگریزی اور فرانسیسی سے ترجمہ کئے گئے ہیں“۔

کتب خانہ کی چوتھی روداد سے پتہ چلتا ہے کہ چار سال کے اندر اس کتب خانہ میں تقریباً پندرہ سو کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔ اور مزید کتابیں خریدنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ہر ایک رکن کی خواہش یہ تھی کہ یہ کتب خانہ دوسرے ممالک اسلامیہ کے لئے ایک مثالی کتب خانہ ثابت ہو۔ کتب خانہ میں بڑی باقاعدگی کے ساتھ کام کیا جاتا تھا کیونکہ منتظمین اس سے غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ کتابوں کی باقاعدہ ایک فہرست مرتب کی گئی تھی جس کو بعد میں طبع بھی کیا گیا تھا۔ کتب خانہ کی عمارت کے لئے چار سال میں تین ہزار چار سو چار روپے کا سرمایہ جمع کر لیا گیا تھا۔ دو ہزار روپے تو نواب اعظم نے دیئے تھے اب کتب خانہ کی آمدنی تقریباً اڑسٹھ روپے چار آنے ماہوار تھی اور خرچہ

بتیس روپے پانچ آنے تھا لے

نواب اعظم کی وفات کے بعد اس کتب خانہ کی ترقی رک گئی۔ اچھی دیکھ بھال نہ سہنے سے بہت سی کتابیں ضائع ہو گئیں۔ اب گزشتہ چند سالوں سے پروفیسر محبوب پاشا اس کتب خانہ کے نگران ہیں ان کی سرپرستی میں اُمید ہے یہ کتب خانہ ترقی کرے گا جس کا یہ بجا طور پر مستحق ہے۔

### علم و ادب اور شعر و سخن سے دلچسپی

نواب اعظم کی طبیعت میں شاعری کا ملکہ قدرت کی جانب سے ودیعت کیا گیا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد مشق سخن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خود نواب اعظم کا بیان ہے کہ انھوں نے ”دیوانِ منظر کے برابر“ خود اپنا ایک مختصر دیوان مرتب کر لیا تھا لے نواب محمد غوث خاں، اعظم تخلص کرتے تھے۔ اور سید ابوطیب خاں والا سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ۳۔ والا کی حوصلہ افزائی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اس طرح نواب اعظم بہت جلد عمدہ شعر کہنے لگے۔

نواب اعظم کو اگرچہ شاعری میں و آلا سے تلمذ تھا لیکن آپ شاعری میں ناصر علی سرہندی کی تقلید پسند فرماتے اور اس فن میں اُن کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ مہدی واصف نے اپنے مشہور اور نایاب فارسی تذکرے "معدن الجواہر" میں ناصر علی سرہندی کے کلام پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ ان سب کے تفصیلی جوابات نواب اعظم نے اپنے مشہور تذکرہ "گلزار اعظم" میں دیے ہیں۔

نواب اعظم بڑے ذہین و طباع تھے۔ انھوں نے خداداد ذکاوت و ذہانت پائی تھی۔ مولف "سخنورانِ بلند فکر" کا بیان ہے کہ نواب اعظم کے لئے دو گھنٹے دو گھنٹے کی فکر میں ایک عمدہ غزل کہہ لینی معمولی بات تھی۔ ایک مرتبہ ایک ہی رات میں حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی منقبت میں (۱۷) شعر کا ایک قصیدہ موزوں فرمالیا تھا بلکہ

نواب اعظم اصل میں فارسی کے شاعر اور ادیب تھے۔ ان کے زیادہ تر کارنامے صرف فارسی ہی میں ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مدراس کے تمام اہل علم فارسی ہی میں شعر کہتے اور اسی زبان میں تصنیف و تالیف کرنا

پسند کرتے تھے۔ اُردو میں جو بھی کہا جاتا صرف تغنماً کہا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے نواب اعظم کا اُردو کلام بہت کم ملتا ہے۔ انہوں نے اُردو نثر کی طرف بھی توجہ نہیں کی تھی۔

### تصانیف

نواب اعظم نے چار کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے تین تصنیفیں تذکرہ "صبحِ وطن"، "تذکرہ گلزارِ اعظم" اور "سفینۃ النجات" فارسی میں ہیں۔ "بہارستانِ اعظم" نواب اعظم کا مختصر اُردو اور فارسی دیوان ہے۔

### تذکرہ صبحِ وطن

نواب اعظم کی اولین تصنیف تذکرہ صبحِ وطن ہے۔ اس میں ریاست کرناٹک کے اکیانوے شعراء کی مختصر سوانح اور ان کے فارسی اشعار کا انتخاب دیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۵۷ھ میں مرتب ہوا۔ لیکن ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں محمد حسین شیریں خاں راقم کے اہتمام سے اور نواب سالار الملک قادر مرثقی حسین کی معرفت مطبع سرکاری کش راج میں طبع ہوا اس کی کتابت غلام محمد نے کی تھی۔ تذکرہ صبحِ وطن کے مطبوعہ نسخے اب نایاب ہیں۔ راقم الحروف کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کی کتابت

۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ تذکرہ صبح وطن کے آخر میں کچھ تاریخی قطعات  
تالیف کتاب کے سلسلے میں درج ہیں۔ احمدی کا قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو۔

چون امیر اعظم والا گھر      قدر داں جو ہر اہل ہنر  
از برائے یادگار روزگار      نسخہ اشعار شجرائے دیار  
از نگاہ لطف خود ترتیب داد      یا الہی خانہ اش آباد باد  
احمدی چون خواستہ سال بنا      یادگارِ اعظمی آمد ندا

۱۲۵۷

### تذکرہ گلزارِ اعظم

نواب اعظم کی دوسری تالیف "تذکرہ گلزارِ اعظم" ہے۔ یہ تذکرہ  
۱۲۶۹ھ میں ۱۸۵۲ء میں تالیف ہوا۔ لیکن اس کی اشاعت مطبع سرکاری سے  
۱۲۷۲ھ میں ۱۸۵۵ء میں عمل میں آئی۔ اس تذکرہ میں کرناٹک کے ایک سو چالیس  
شعراء کا تفصیلی تذکرہ درج کیا گیا ہے۔ شعراء کے سنہ پیدائش، مقام ولادت،  
تعلیم و تربیت، کتب، استعداد و لیاقت کے دقائق اور سیر و سیاحت کے  
حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ ان کے تالیف و تصانیف کے علاوہ منتخب کلام  
سبب نہایت تحقیق، راست بیانی اور حق پسندی کے ساتھ بڑے دلکش  
اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ ابتدا میں حسبِ ذیل قطعہ تاریخ درج ہے۔



چوتھا بار شد گلشن بے خزاں کہ افزاید از سیر آن عقل و ہوش  
 شدم در پے نام و تاریخ او ندا کرد گلزار اعظم سر و شس  
 نواب اعظم کے تذکرے "صبح وطن" اور "گلزار اعظم" ایک خاص اہمیت  
 کے حامل ہیں۔ یہ جنوبی ہند کے دو ایسے مستند تذکرے ہیں جن سے اس خطے کے  
 شعراء کا مفصل حال معلوم ہوتا ہے۔ ان میں کرناٹک کے شعراء کے حالات ہمیشہ  
 کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں۔ آج بھی یہ تذکرے مستند ماخذ کا کام دیتے ہیں چنانچہ  
 مولوی نصیر الدین ہاشمی ان تذکروں کے متعلق لکھتے ہیں :

"تذکرہ صبح وطن" اور "گلزار اعظم" کے باعث اس وقت کے فارسی اور اردو  
 کے بڑے بڑے نامور شعراء کا حال آج تک محفوظ ہے اگر یہ تذکرے مرتب نہ ہوتے  
 تو شاید اس وقت کے شعراء کے حالات کا پتہ ہی نہ چلتا۔ اعظم نے ان دونوں  
 تذکروں کو مرتب کر کے علمی اور شاعری کی دنیا پر احسانِ عظیم کیا ہے"۔

### سفینۃ النجات

یہ فنِ جہاز رانی کے متعلق نواب اعظم کا ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے۔

اس میں فنِ جہاز رانی کے قواعد و ضوابط اور اس کی اصطلاحیں وغیرہ تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ نواب موصوف نے اس رسالہ کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر ایک باب کئی فصلوں میں منقسم ہے۔ فن کی مناسبت سے ہر باب کا نام ”سیلابہ“ اور فصل کا ”موج“ تجویز کیا گیا ہے۔ مدراس کے گورنمنٹ اوریشل متسکریٹ لائبریری میں اس کا ایک ایسا تلمی نسخہ موجود ہے جس پر حاجی مصنف کی اصطلاحیں موجود ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں یہ نسخہ اسی لائبریری کی جانب سے شائع بھی ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ تینسل صفحات پر مشتمل ہے۔

راقم الحروف کے پاس یہ رسالہ موجود ہے۔

### بہارستان اعظم

بہارستان اعظم، نواب اعظم کے فارسی اور اردو اشعار کا ایک مختصر انتخاب ہے۔ یہ انتخاب، نواب اعظم کی وفات کے اٹھائیس سال بعد مطبع منظر العجائب مدراس سے شائع ہوا تھا۔ ”بہارستان اعظم“ ڈی بی سائز کے صرف چھپن صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا کاغذ اور اس کی لکھائی، پچھوانی بہت ہی معمولی ہے۔ ابتداء میں ایک صفحہ کا مختصر دیباچہ ہے۔ پھر صفحہ نمبر دو سے پچاس تک فارسی کلام درج ہے جس میں نعت، منقبت، مرثیہ اور

غزلیں موجود ہیں۔ اس میں چار قصاید سرور کائنات صلعم اور اہمات المؤمنین کی مدح میں ہیں۔ صفحہ نمبر ۵۱ سے اردو کلام شروع ہوتا ہے۔ جو پانچ مکمل اور چھ ناکمل غزلیات پر مشتمل ہے۔ اردو غزلیات کے بعد فارسی میں تین صفحات کا ”خاتمہ“ بھی لکھا گیا ہے جس میں نواب اعظم کے مختصر حالات درج ہیں اور ان کے کلام پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ آخر میں زین الدین احمد تاجر کتب نے نواب اعظم کے کلام کے دوسرے حصہ کی اشاعت کا اعلان کیا ہے لیکن دوسرے حصہ کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد میں ”بہارستان اعظم“ کے دو مطبوعہ نسخے محفوظ ہیں۔ ”بہارستان اعظم“ اب کم یاب بلکہ نایاب ہے۔

### نواب اعظم کی اردو شاعری

نواب اعظم کا اگرچہ فارسی شاعری سے زیادہ لگاؤ تھا لیکن اس کے باوجود اردو کے ایک اچھے شاعر تھے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ نواب محمد غوث خاں اعظم نے شمال اور جنوب کے اساتذہ اردو کے کلام کا مطالعہ کیا تھا اور غزل بہت اچھی کہتے تھے۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں :

”محمد غوث خاں اعظم کے ستمے مذاق اور علم دوستی کے مد نظر ان کے

اطراف اچھے عالم اور سخن سنج اکٹھے ہو گئے تھے .... اُن کی وجہ سے اُردو شاعری کو جو محرک نصیب ہوا تھا اس کے باعث مدراس اور اس کے دور دراز حصوں میں اُردو شاعری کا ذوق ایسا پھیل گیا تھا کہ مختلف حصوں صدیاں شاعر اور نثر نگار پیدا ہوتے رہے۔

مدراس میں نواب اعظم کی شاعری کا زمانہ وہ عہد تھا جب لکھنویں ناسخ (متوفی ۱۸۳۸ء) و آتش (متوفی ۱۸۴۶ء) اور دہلی میں غالب (متوفی ۱۸۶۹ء)۔ ذوق (متوفی ۱۸۵۲ء) اور مومن (متوفی ۱۸۵۱ء) آسمانِ شاعری پر چمک رہے تھے۔ خود مدراس میں باقر آگاہ کے شاگرد اور نواب اعظم کے درباری شعراء جیسے حبیب اللہ ذکا، مہدی واصف، غلام احمد احمدی، سید درویش مخلص، قادر حسین جوہر، گدارش خاں شاعر اور شاہ فلاح احمد منتظر وغیرہ اپنے کمال فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ خاں عالم خاں فاروق، حکیم عبدالباسط، عشق، محمد قادر علی بے ہوش، تاج الدین بہجت، سید محمد حسین تنہا، حسن علی ماہی حسن، ارتضیٰ علی خاں خوشنود اور شاہ عزیز الدین دیدار وغیرہ جیسے باکمال

شعراء بھی اس عہد میں مدراس میں موجود تھے۔ اس ماحول میں جہاں شعر گوئی کا چرچا عام ہو نواب اعظم اردو میں کس طرح طبع آزمائی نہ کرتے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج اُن کا کلام ”بہارستانِ اعظم“ کی چند غزلوں کے سوار اور کوئی نمونہ کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ یقیناً اعظم نے اس سے زیادہ کہا ہو گا جو نا قدری زمانہ یا حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ ”بہارستانِ اعظم“ میں نواب اعظم کا اردو کلام بہت کم ہے لیکن جو کچھ موجود ہے بہت خوب ہے۔ اس سے تخیل کی بلندی، مضمون کی رنگینی اور خیالات کی پاکیزگی ظاہر ہوتی ہے۔ زبان بھی آسان اور عام فہم استعمال کی ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نواب اعظم کے اردو کلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”بہترین غزل کے لئے رجن لوازم کی ضرورت ہے تخیل کی بلندی، خیالات کی تازگی، مضمون کی رنگینی، زبان کی صفائی یہ سب اعظم کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں جس کی توثیق اُن کے کلام سے بخوبی ہو سکتی ہے۔“<sup>۱</sup>

”بہارستانِ اعظم“ کی کتابت و طباعت بعض جگہ اتنی نامقص ہے کہ

اس کی قرأت ایک شکل بن گئی ہے۔ ذیل میں اعظم کے اردو کلام کا ایک انتخاب  
 پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کے طرز اور رنگِ سخن کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔  
 عشق میں یار کے دل اپنا لگا کر دیکھا خوب اس شمع کو میں نے بھی جلا کر دیکھا  
 سلسلہ برق کو پہنچے ہے دلِ سوزاں کا دفترِ داغ کو میں نے جو اٹھا کر دیکھا  
 ایک قطرہ کو میرے اشک کے پہنچا نہ کبھی تو نے اے ابر کئی سیل بہا کر دیکھا  
 فائدہ کچھ بھی ہوا تجھ کو بھلا اے اعظم دل جو تو اس بتِ ناداں سے لگا کر دیکھا

تاک لے یک بار گر اس چشمِ میگوں کو تو پھر  
 کیا عجب ہے پانی پانی ہو جو دل انگور کا  
 گر رہے یکساں یہ عالم حسن کا اس کے تو دل  
 ایک دم میں جمع کر دے گادہ سا مال طور کا  
 کاکلِ مشکیں سے اس کے ذوق ہو اعظم جیسے  
 ہے در تاج سلیمان بیضہ بیضہ مور کا

داغِ دل چکا جو عشقِ سیمبر پیدا ہوا لوز میں پر دوسرا رشکِ قمر پیدا ہوا

ماجرائے چشم کو بتلایا اڑتا رنگ کا بعد مدت کے یہ مرغِ نامہ بر پیدا ہوا  
مشہدِ بابل پہ رکھتی ہے صبا لالا کے گلِ نالہ مرحوم میں آخر اثر پیدا ہوا

لیوے اگر وہ ہاتھ میں ساغر شراب کا سہجائے پانی شرم سے دل آفتاب کا

فلک پہ سینہ سوزاں سے جب بخارا اٹھا تو مائے ہول کے وہاں رعد بھی پکار اٹھا

آتی ہے خاکِ قیس سے ہر دم صدائے دل باتوں پہ دلبروں کے تو ہرگز نہ جائے دل  
سینہ مرا چن ہوا گل ہائے دلغ سے اس شمعِ رو کے یاد میں بس داغ کھائے دل

کیوں گھر ہائے آئے نہیں ہے وہ ماہِ رُو وہ جائے کون سی ہے جو تابِ قمر نہیں

کیوں نہ تڑپے دل تباہی آنسوؤں کی سمجھ کر ایک مدت کے یہ طفلِ اشک ہیں پالے ہوئے  
یاد میں اس شمع کی رو کی رات جو رو یا کیا نالہ ہائے دل میرے آتش کے پر کالے ہوئے  
کیفیت لائی صبا جو نرگسِ مخمور کی گل چمن میں گریباں چاک متوالے ہوئے

حسن اس گلر و کا بالے سے دو بالا ہو گیا خوش نما تر ہوئے جیسے نقش گل پردہ از سے  
 رتبه زلفوں کو ملا عارضِ زیبائے ترے جیسے دوش کو فضیلت ہوئی آدینہ سے  
 نواب اعظم صنائع و بدائع کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا جو مختصر سا اردو  
 کلام دستیاب ہوا ہے اس سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ رعایت لفظی پر  
 انھوں نے بطور خاص توجہ کی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

### رعایت لفظی

آئے کان چشم سے اشکِ زمری کس سبز رنگ سے تمھیں اعظم لگائے دل  
 جب سے نظر نہ آئی ہے وہ چشمِ نرگسی ہیں گر چہ آنکھ حجب کو یہ نورِ بصر نہیں  
 دوری سے غنچہ رو کے میں ایسا ہوں تنگدل کب آہ کو بھی سینہ میں میرے گزر نہیں  
 اعظم لگیا ہے جب سے کہ وہ مندی لباس بتلائیے کبھی تو بھلا دردِ سر نہیں

### حسن تحلیل

تیری تلاش میں سوسن نے بیاں تک دوڑا کہ مائے پیاس کے منہ سے زبان نکل آئی  
 مراعات النظر

عشوہ و غمزہ کرشمہ، تاز اور انداز سے

الغرض دل لے گیا ظالم نے سو سونانہ سے



## محاصرین کی رائے

سید مرتضیٰ بینش مولف تذکرہ "اشارات بینش" اور قدرت اللہ قدرت مولف تذکرہ "تنازع الافکار" نے اپنے تذکروں میں نواب اعظم کی ذہانت اور ذکاوت کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور نواب اعظم کی قدرتِ کلام، زود گوئی، بدیہہ سنجی اور طباعی کو بے حد سراہا ہے۔ سید مرتضیٰ بینش لکھتے ہیں کہ نواب اعظم ابتداء میں سید ابوطیب خان دالآ کی خدمت میں مشقِ سخن فرمالتے تھے مگر اب تو اپنی بلند فطرت اور دقت پسند طبیعت کے اقتضا سے زمانے کے معزاء میں سرآمد اور بلند پایہ بلخاء (بلیغ لوگ) کے سردمہ ہو گئے ہیں۔ بقول بینش "نواب اعظم کی طبیعت کی تیزی اور ذہن کی صفائی کا یہ عالم ہے کہ ارباب شعراء میں اکثر اوقات طرحی غزل ایک گھنٹے میں بخوبی تحریر فرمالتے ہیں۔"

نواب اعظم اپنے مخصوص مشاعرے میں جو "مشاعرہ اعظم" کے نام سے مشہور تھا بارہا ایک ایک دو دو گھنٹے میں غزل کہہ کر اپنی مشافی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔ "اشارات بینش" کے علاوہ خود تذکرہ "گلزارِ اعظم" میں اس کے بہت سے شواہد ملتے ہیں۔ نواب اعظم لکھتے ہیں کہ ایک بار مشاعرے میں "رخسارِ گل" اور "خارِ گل" زمین قرار دی گئی اور طرحی مصرع کی "فردا فاعیل" میر مجلس مشاعرہ اعظم شیریں سخن

خالِ راقم کی جانب سے غفل کے ہر سخنِ سنج کی خدمت میں پہنچی۔ میر مہدی ثاقب نے عرض کی "حضرت! بے ادبی معاف! مابعد غزل جیرانیم و جناب عزمِ قصیدہ دارید خدا حافظ!" (۱) (حضور والا! بے ادبی معاف! ہم ایک غزل کی فکر میں جیران ہیں اور حضورِ قصیدے کا عزم رکھتے ہیں۔ خدا حافظ ہے!) پس اسی رات کو نواب اعظمِ قصیدہ لکھتے بیٹھ گئے۔ محرم کا زمانہ تھا۔ اسی مناسبت سے ایک حزنِ قصیدہ سینتالیس شعر کا مظلوم کربلا سید الشہید حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شان میں لکھ ڈالا۔ اور صبح سوتے ہی اپنے احباب مجلس کی خدمت میں پیش کیا۔ ب جیران رہ گئے اور نواب اعظم کے کمالِ فن کا اعتراف کیا۔ یہ سبھی قصیدہ "گلزارِ اعظم" میں بھی موجود ہے۔  
 مشاعرہ اعظم

"مشاعرہ اعظم" کے نام سے نواب اعظم نے ایک بزمِ سخن ۱۲۶۲ھ میں قائم کی تھی جو دس برس تک یعنی نواب اعظم کی وفات ۱۲۷۲ھ تک قائم رہی۔ اس بزم کے تحت ہفتہ وار مشاعرے بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا کرتے تھے۔ اس کی ایک

اہم خصوصیت یہ تھی کہ شعراء کو ایک دوسرے پر مدلل نکتہ چینی اور تنقید کا حق حاصل تھا۔ شاعر کا فرض تھا کہ اگر کوئی اس کے شعر پر اعتراض کرے تو اس کا تشفی بخش جواب دے یا حکم اول میراں محی الدین واقف اور حکم ثانی قدرت اللہ خاں قدرت مولف "تذکرہ نتائج الافکار" اور میر مجلس شاعرہ افضل الشعراء شیریں سخن خاں راقم کا فیصلہ تسلیم کرے۔ حکم اعلیٰ خود نواب اعظم تھے۔ ان کا فیصلہ آخری اور قطعی فیصلہ مانا جاتا تھا۔

شاعرہ اعظم سرکاری شاعرہ تھا جو نواب اعظم کی صدارت میں منعقد ہوتا تھا۔ مرتضیٰ بینش نے اپنے تذکرے میں اس کی بڑی عمدہ تصویر کھینچی ہے۔ شاعرہ اعظم میں مدراس کے تقریباً تین سو ممتاز شعراء جو سرکاری مشاہرہ یاب اور معزز خدمات پر سرفراز تھے، شریک ہوا کرتے تھے۔ اس شاعرہ کا اثر بقول محمد حسین محوی یہ ہوا کہ "علوم و فنون کے بازار کی رونق دو بالا ہو گئی۔ خاص کہ سخن وری اور معنی گستری کے جواہر کا رواج عام ہو گیا"۔ تہذیب شاعرہ و آداب مجلس کے متعلق محمد حسین محوی کا بیان ہے کہ سب سے قابلِ تعریف بات یہ تھی کہ شاعرے میں

---

لے ملاحظہ ہو تذکرہ اشارات بینش صفحہ ۸ تا ۹ مطبوعہ مدراس  
 لے محمد حسین محوی: نواب اعظم اور شاعرہ اعظم صفحہ ۳۳۰ مطبوعہ رسالہ اردو اپریل ۱۳۳۱ء

کوئی شاعر آدابِ مجلس اور آئینِ اخلاق کے خلاف کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ شعر میں بھی اشارتاً یا کنایتاً ایسی بات نہیں بیان کر سکتا تھا جو تہذیب کے خلاف اور متانت و سنجیدگی سے دور یا اخلاق سے گری ہوئی ہوتی۔ معاصرین پر چوڑا کرنا یا ان کی تحقیر کرنے کی سخت مخالفت تھی۔ ایسی شاعرانہ تخیل بھی ناجائز سمجھی جاتی تھی جس میں دوسرے شعراء کی توہین کا پہلو موجود ہوتا۔ محمد حسین محوی سمجھتے ہیں کہ ”یہ امر نواب کو نہایت ناگوار تھا اور بمصداق الناس علیٰ دین ملو کہم“ درباری شعراء پر بھی اس کا اثر تھا“ اے آگے چل کر محمد حسین محوی رقمطراز ہیں ”یہ پتہ چلتا ہے کہ شعراء دربار میں باہم خوش گو اور مراسم تھے اور ہر ایک کو ایک دوسرا بھلائی سے یاد کرتا ہے۔ آپس میں فتنہ وطن کو یہ لوگ خود بھی تہذیب کے خلاف شرافت کے منافی اور شانِ علم و ادب کے بالکل غیر شایان سمجھتے تھے۔“

اس لحاظ سے دربارِ اعظم کو جس قدر سراہا جائے کم ہے۔ اور اس مذاقِ سلیم کی جتنی داد دی جائے بھلا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے بعض دیگر امرائے ہند کے درباروں اور دیواری شاعروں سے اسے ممتاز کر دیا ہے“ بلکہ

# مثنوی اعظم نامہ

”اعظم نامہ“ امیر الہند والا جاہ نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم کے درباری شاعر قادر حسین جوہر کی ایک نایاب غیر مطبوعہ مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں نواب اعظم کی ولادت سے وفات تک کے حالات بڑے موثر انداز میں نظم کئے گئے ہیں یہ تاریخی مثنوی زیادہ طویل نہیں لیکن اس کے مطالعہ سے والا جاہی تہذیب کے حدود خال پر روشنی پڑتی ہے، تاریخ کی کتابوں میں بھی ہیں اس دور کی ایسی بھرپور اور جامع تصویر نظر نہیں آتی جیسی کہ اس مثنوی میں دکھائی دیتی ہے۔ ”اعظم نامہ“ کے تفصیلی تعارف اور جائزے سے پہلے اس مثنوی کے شاعر قادر حسین جوہر کا تذکرہ ضروری ہے۔

قادر حسین جوہر کے حالات زندگی : جوہر اپنے عہد کے ایک مشہور و معروف شاعر تھے۔ اُس دور کے مشہور قاری تذکروں جیسے ”تذکرہ گلزارِ اعظم“ اور ”اشاراتِ بینش“ میں ان کے حالات مجموعہ ہیں۔ اس کے علاوہ ”سغور ان بلند فکر“ میں بھی ان کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن ان تذکروں میں جوہر کی کسی نامزد یا

فارسی تصنیف کا ذکر نہیں ہے۔ "مدراس میں اردو" نامی کتاب میں مولوی نصیر الدین ہاشمی نے جوہر کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ اب قدیم ذخیرہ دہلی سے ان کی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کی روشنی میں جوہر کے حالات اور ان کی تصانیف کا ایک مختصر تعارف پیش ہے۔

**نام و نسب :** جوہر کا اصل نام قادر حسین تھا۔ وہ شیخ داؤد جوہری کے فرزند تھے۔ نواب اعظم نے اپنے تذکرہ گلزار اعظم میں لکھا ہے کہ جوہر میاں محمد قاسم عمدۃ التجار ناگور کے دختر زادے (نواسے) تھے لیکن محمد منور گوہر نے "سخنوران بلند فکر" میں جوہر کو میاں محمد قاسم عمدۃ التجار ناگوری کا بھانجہ (ہمشیر زادہ) بتایا ہے۔

**ولادت :** جوہر ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء میں ناگور میں پیدا ہوئے تھے لیکن مولف تذکرہ "اشارات بینش" نے جوہر کی جائے پیدائش شہر مدراس بتائی ہے۔ مولف "سخنوران بلند فکر" کا بیان ہے کہ جوہر کمسنی میں اپنے والدین کے ہمراہ مدراس آگئے تھے۔ تذکرہ گلزار اعظم سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

**تعلیم و تربیت :** جوہر نے جب ہوش سنبھالا تو شہر مدراس کے اہل علم و فضل سے درسی کتابیں پڑھیں۔ سید مرتضیٰ بینش کا بیان ہے کہ جوہر نے مولوی شاہ

میراں جی الدین واقف امیر مہدی ثاقب اور شیریں سخن خاں راقم کے آگے  
 زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ اور ان ہی حضرات سے مشورہ سخن بھی کیا۔  
 نواب اعظم کا بیان ہے کہ راقم ہی نے ان کا تخلص جوہر تجویز کیا تھا۔ محمد منور  
 دہر نے لکھا ہے کہ جوہر کو درسی کتابیں خوب از بر تھیں۔ درس و تدریس سے  
 بے معمولی لگاؤ تھا۔ اپنے شاگردوں کو بڑی دلچسپی سے پڑھاتے تھے۔

**ملازمت:** میرزا عابد الباقی وفا کی بدولت جوہر محفل "مشاعرہ اعظم"  
 اں باریاب ہوئے تھے۔ اس طرح دربار اعظم سے جوہر کا توسل پیدا ہوا تھا۔  
 در مشاہیر سرکاری سے بھی وہ سر فراد کے لگے تھے۔ ۱۵۵ھ میں نواب اعظم  
 وفات ہوئی اس وقت تک وہ دربار اعظم سے وابستہ تھے۔ نواب اعظم کی  
 وفات کے بعد درس و تدریس ہی اُن کا مشغلہ تھا۔

**وفات:** جوہر کے سستہ وفات کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ مولف  
 کہہ سخنوران بلند فکر کا بیان ہے کہ ان کی بسم اللہ خوانی کے زمانے تک یعنی  
 ۱۲۹ھ م ۱۸۷۵ء تک جوہر بقید حیات تھے۔ ۱۳۱ھ م ۱۸۹۹ء سے

۱۔ سید مرتضیٰ بینش: اشارات بینش صفحہ ۶۸ مطبوعہ دہلی ۱۹۷۳ء

۲۔ تذکرہ گلزار اعظم صفحہ ۱۵۲۔

۳۔ سخنوران بلند فکر۔ صفحہ ۱۲۶

پیشتر جوہر کی وفات ہو چکی تھی ۔

تصانیف : تذکرہ گلزار اعظم ، تذکرہ اشارات بینش ، اور تذکرہ سخنورانِ بلند فکر ، میں جوہر کی کسی تعریف کا ذکر نہیں ہے ۔ البتہ ان تذکروں میں ان کے کچھ فارسی اشعار بطور نمونہ دیئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے ۔ راقم الحروف کے پاس جوہر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی "اعظم نامہ" موجود ہے جو خود جوہر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ۔ اس مثنوی کے علاوہ جوہر نے دو فارسی مثنویاں بھی لکھی تھیں جن کا ذکر ان کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا ہے ۔ یہ دونوں فارسی مثنویاں "چمن لطایف" اور "مثنوی شادی نامہ" کتب خانہ شرقیہ حکومت مدراس (Govt. Oriental Manuscripts Library MADRAS) میں محفوظ ہیں ۔ ان مثنویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے ۔

مثنوی شہان یا چمن لطایف : جوہر نے ۱۲۵۲ھ میں ایک مثنوی

شہان موسوم بہ چمن لطایف لکھی تھی ۔ اس مثنوی کی ابتداء میں حمد ، نعت منقبت کے بعد نواب عظیم جاہ اور نواب اعظم کی مدح کی گئی ہے ۔ نواب اعظم کی مدح میں تین غزلیں بھی لکھی ہیں ۔ آخر میں نواب اعظم سے اُمید الطاف و کرم ظاہر



کی ہے۔ اور فکرِ معاش سے اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-  
 اے شاہ شہان ملک پرور از فکرِ معاش ام نگوں سر  
 غیرار تو وسیلۂ ندارم امید بر آرا امید وارم  
 اس مثنوی میں جوہر نے حسین تخلص اختیار کیا ہے اور ”چراغِ بزم“ سے  
 اس کی تاریخ (۱۲۵۲ھ) نکالی ہے۔

مثنوی جوہر یا شادی نامہ :- نواب اعظم کی پہلی شادی ۱۲۶۲ھ  
 ۱۸۴۸ء کے موقع پر جوہر نے ایک مثنوی ”شادی نامہ“ لکھی۔ اسے تہنیت نامہ ”یا  
 ”مسرت نامہ“ بھی کہہ سکتے ہیں۔

کہ شادی نامہ شاہنشہ خویش کنم تحریر آکنوں بے کم و بیش  
 فریادوں فرد جسم صدر جہاں است شہ اعظم حمد عت خاں است  
 اس مثنوی میں تقریبِ شادی کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ آغازِ شادی، محفلِ  
 ضیافت، محفلِ رقص و سرود، رسمِ سانچن، رسمِ مہندی، مجلسِ شب گشت اور  
 رسمِ جلوہ کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ شب گشت کے موقع پر ارکانِ دولت، امراء  
 و وزراء، عاملینِ سلطنت کے ساتھ ”شاعرانِ نکتہ پرور“ بھی نوشہ کے ہمراہ  
 جلوس میں شامل تھے۔

ہم ارکان و امیراں و وزیراں ، رواں ہمراہ ادباً شوکت و شان  
بصد شان قاضی الملک خوش اخلاق ، بہا زورفت بانواب آفاق

غرض قاضی الملک قاضی بدر الدولہ اور ان کے بھائی مولوی عبد الوہاب مدار الامر  
دیوان ریاست ، مسیح الدولہ اسلم جنگ ، بخشش الملک ، منور الدولہ ، کریم الدین ،  
نذیم الدین خاں ، منشی الملک ، دبیر الملک ، صدارت خاں ، کفایت خاں ، طراز  
خاں ، نعمت خاں ، گذارش خاں ، ملتس خاں ، امین الدین علی خاں ، مہتمم الدولہ  
امین الدولہ اشرف جنگ وغیرہ کے ساتھ شاعران مکنت پرور میں وفا ، قدرت ،  
واقف ، والا ، خالص ، مخلص ، ثاقب ، بینش ، احمدی ، فرحت ، بلخ ، احسن ،  
دصف ، معادن ، زمین ، قدیر ، منتظر اور جوہر بھی جلوس میں شامل تھے ۔

رسم جلوہ شان و شوکت سے انجام پانے کے بعد تمام ادنیٰ و اعلیٰ کو حسب  
مراتب انعام و خلعت ہائے زریں سے نوازا گیا ۔ جوہر بھی انعام خلعت کی خواہش  
اور خود کو " زمرہ خدام درگاہ عالی " میں شامل کرنے کی استدعا کرتے ہیں ۔

مراحم زود تراز لطف رحمت مشرف کس شاز انعام خلعت  
ہمیں دارم امید از لطف اے شاہ کہ گردم داخل خدام درگاہ

جوہر کا شادی نامہ " بڑا مقبول ہوا ۔ چنانچہ اس وقت کے ممتاز شعراء جیسے

محمد حسین راقم، عبدالباقی وفا، مہدی ثاقب، مرتضیٰ بینش، غلام دستگیر مسعود، عبدالفتاح منتظر، اور غلام احمد احمدی نے اس مثنوی کے بحسن و خوبی اختتام پر تاریخیں کہی تھیں۔ جو اس مثنوی کے آخر میں شامل ہیں۔

اُردو شاعری : جوہر نے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ فارسی شاعری کے لئے انھوں نے حسین، جوہر اور جوہری تخلص استعمال کئے ہیں جبکہ اُردو شاعری کے لئے صرف جوہر تخلص اختیار کیا۔ آج جوہر کا اُردو کلام مثنوی "اعظم نامہ" اور دو چار غزلوں کے سوا کہیں اور نہیں ملتا۔

مثنوی اعظم نامہ : مثنوی "اعظم نامہ" جوہر نے اپنے ایک کرم فرما غلام محمد شاہ فرزند ضیاء الدین کی فرمائش پر ۱۲۴۲ھ میں نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم کی وفات کے نوری بعد منظوم کی تھی۔ اس مثنوی میں نواب موصوف کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات زندگی نظم کئے ہیں۔ اس مثنوی میں چالیس صفحات اور تین اٹھانوے اشعار موجود ہیں۔ افسوس اس کتاب میں درمیان سے دو اوراق غائب ہو گئے ہیں۔ قدیم خطوط میں راقم کی تلاش جاری ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی چار سو پچاس ابیات پر مشتمل تھی۔ مثنوی کا نام کہیں لکھا ہوا نہیں ہے۔ صرف آخری شعر میں نام کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے۔

مرے سے شنوئی آخر ہوئی جب رکھنا نام اسکا اعظم نامہ میں تب  
 غلام محمد شاہ اور اُن کے دالہ ضیاء الدین صاحب کے حالات کا کچھ پتہ نہیں  
 چلا۔ جو تہر کا بیان ہے کہ غلام محمد شاہ فارسی اور ہندی (اُردو) دونوں زبانوں میں  
 شعر کہتے تھے۔ جو تہر نے ان کے اخلاق و عادات کی بڑی تعریف کی ہے۔ انہیں معدن  
 الطاف و اشتقاق بتایا ہے اور سمجھا ہے کہ وہ ہمیشہ عبادت الہی اور تلاوت قرآن  
 مجید میں مصروف رہتے ہیں۔ انہوں نے جو تہر سے نواب اعظم کے کچھ حالات سمجھنے کی  
 فرمائش کی۔ چنانچہ اُن کے حکم کی تعمیل میں جو تہر نے یہ شنوئی سمجھی ہے

مرے ایک بہرہاں ہیں رحم فرما	انہوں کا جھمپہ پہ باب لطف ہی وا
محمد شاہ اُن صاحب کا ہی نام	انہوں کا ہی مروت سے سدا کام
محمد شاہ پر لفظ غلام اب	لگا دے تاعیاں ہو سارا نام اب
ہمیشہ مثلِ طوطی ہیں شکر خا	خدا ان کی صدا پر دل ہی سب کا
ضیاء الدین صاحب کے ہیں فرزند	سمندِ خلق میں اُن کے ہی دل بند
ہی ہندی فارسی میں خوب ہیں طاق	ہیں پے شک معدنِ الطاف اشتقاق
ہیں کرتے بندگی حق کی سحر شام	تلاوت سے ہمیشہ اُن کو ہی کلام
کرے گلِ شامِ خامہ اُن کا جب کل	خدا شیراز کی اس پر ہو بلبُل

کے مجہ کو کہ لکھہ کچھ حالِ اعظم رہے تا نام تیرا <sup>(ہمیشہ)</sup> انت بعالم  
 سنا جب حکم اُن مشفق کا خوش ہو دیا میں انتظام اس <sup>(میشہ)</sup> مثنوی کو  
 کتاب کے آخر میں نواب اکرام الدولہ کے فرزند محمد سرور حسین اکمل اور مدد اس  
 کے مشہور شاعر سید عبداللطیف لطف کے تاریخی قطعات درج ہیں جن سے ۱۲۷۲ھ  
 تاریخ تصنیف نکلتی ہے۔

مثنوی "اعظم نامہ" حمد و نعت سے شروع ہوتی ہے جس کے ہر شعر سے خلوص  
 اور عقیدت نمایاں ہے۔ مثنوی میں سات عنوانات ہیں جو دو مصرعوں کی صورت  
 میں درج ہیں۔ ان مصرعوں میں "ساقی" سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور انھیں سُرخ  
 وِ ترنائی سے سچا گیا ہے۔ ان مصرعوں میں قصہ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ مثنوی کی  
 ابتداء میں نواب اعظم جاہ والی ریاست اراکٹ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شان و شوکت  
 حکومت کرنے کے باوجود انھیں "شمع دولت" یعنی فرزند نہ ہونے کا غم تھا۔ وہ  
 بزرگوں کو نذرانے بھیجتے، درگاہوں کی زیارت کرتے اور اولیاء اللہ سے فرزند  
 عطا کرنے کی دعا کرتے تھے۔

تہا اعظم جاہ کز ناٹک کا نواب اُسی سے خلق تھے ب مدعا یاب  
 اطاعت میں تھے اس کے خاصِ عام تہا اس کو کام بخشش کا سحر شام

عجب حشمت عجب تہی شان و شوکت      ولیکن کوئی نہیں تھا شمع دولت  
 نہ کوئی قائم مقام اُس کا شاہ کا تھا      اسی باعث سے غم میں تھا سراپا  
 کیا پیراں شہیداں کی منت      کہ تا پیدا ہو کوئی یک شمع دولت  
 بزرگوں کو نیاز و نذر بھیجا      کہ تا وارث ہو اس دولت کا پیدا  
 چراغاں بھیجا تھا گہی کے بکسر      ہمیشہ مسجدوں میں مرقدوں پر  
 کیا قادری کی جا زیارت      رکھ اپنے دل میں پاک و صاف نیت  
 غرض بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد وارث سلطنت پیدا ہوا۔ بڑی خوشیاں  
 منائی گئیں۔ اس کی پوری تفصیل مثنوی میں موجود ہے۔ نام رکھائی کی تقریب  
 کا بھی ذکر ہے۔ جو ہر اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں۔

منجم اہل دعوت اور رمال      مشائخ ذی کمال اور صاحب فال

۱۔ حضرت عبدالقادر ناگوریؒ (متوفی ۷۹۷ھ) قادری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ  
 حضرت عوث گویارویؒ کے مرید تھے۔ جنوبی ہند میں آپ کا مزار سب سے زیادہ فیض رساں مانا  
 جاتا ہے۔ نواب اعظم جاہ کے سفر ناگور کو اس وقت کے مشہور شاعر نادر نے مثنوی کی صورت  
 میں منظوم کیا تھا۔ یہ مثنوی جو اب تک غیر مطبوعہ ہے ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے۔  
 ڈاکٹر قطب النساء ہاشمی اپنی کتاب ”تین مسافر“ میں اس مثنوی کے متعلق لکھتی ہیں :  
 ”و مثنوی نادر کہنے کو نواب اعظم جاہ والی ارکاٹ کا سفر نامہ ہے لیکن اس میں مشاہیر  
 عہد کے حالات، مقامی، معاشی اور سماجی واقعات سے متعلق بیش بہا معلومات ہیں۔“

بہم ہر جمع با صد عیش و عشرت      دل اچھا دیکھ کر اور نیک سات  
 محمد غوث خاں نواب رکھنا م      لگے پانے کتین لاکھوں کے انعام  
 جب نواب محمد غوث خاں سو سال کے ہوئے تو ۱۳ نومبر ۱۸۲۵ء کو نواب اعظم جاہ  
 نے انتقال کیا۔

سو سال اس پر جب گذرا قضا      تب اعظم جاہ باپ اس کا سد ہارا  
 لگے رونے کو یہ کچھ ہل کے عالم      بہا آنکھوں سے دریا ان کے اُس دم  
 چچا عظیم جاہ اور ماں کے سالیے میں ان کی پرورش ہوئی۔ نواب عظیم جاہ سترہ سال  
 تک کے لئے ریاست کے نائب مختار مقرر کئے گئے تھے۔

چچا تھا نائب مختار دولت      تھا اس کے ہات کار مبارک دولت  
 چچا اور ماں کے سالیے میں پلا وہ      تھا رہتا رات دن چنگا بہلا وہ  
 نواب محمد غوث خاں جب اٹھارہ سال کے ہوئے تو ان کی تخت نشینی کی رسم  
 بڑی دھوم دھام سے انجام دی گئی۔ گورنر مدراس لارڈ الفنسٹن (جو ۱۸۳۷ء سے  
 ۱۸۴۲ء تک مدراس کے گورنر رہے) کے علاوہ اہلِ نواہٹ، کالیستھ، ہندو اور برہمن  
 امراء بھی بن بٹن کر خوشی خوشی اس جشن میں شریک ہوئے۔ اس جشن کی پوری  
 تفصیل مثنوی میں دی گئی ہے۔ تخت نشینی کی تاریخ بھی منظوم کی گئی ہے۔

اٹھارہ سال کا وہ مہ سہوا جب      بٹھائے تخت شاہی پر اُسے تب  
 بٹھا کر تخت پر شہ کو بیکدم      تھا الفٹن گورنر شاد و خرم  
 نواپ کا میت اور ہندو برہمن      صفاں بانڈھے تھے بیٹھے جملہ بن ٹھن  
 یہاں کے جمع ہو انگریز باہم      خوشی اور خرمی کرتے تھے ہر دم  
 ہزار و دو صد <sup>۲۵۸</sup> اور اٹھاون ای یار      سن ہجری تھا عالم میں نمودار  
 ستر دہائی ماہ رجب کی تھی اُس دم      کہ جس دم تخت پر بیٹھا وہ اعظم  
 غرض ۱۷ رجب <sup>۱۲۵۸</sup> م <sup>۱۸۴۲</sup>ء کو تخت نشینی ہوئی۔ اس کے چھ سال بعد  
 ۲۶ رجب <sup>۱۲۶۴</sup> م ۲۸ جون <sup>۱۸۴۸</sup>ء کو نواب محمد غوث خاں اعظم کی شادی  
 اُن کی ماموں زاد بہن نواب خیر النساء بیگم سے ہوئی جن کے آباء و اجداد سرکارِ آصفیہ  
 میں اُمراءِ معزز و نامدار سے تھے۔ اُن کے دادا کو ضیاء الدولہ بہادر اور اُن کے  
 والد کو ضیاء الملک بہادر کا خطاب حاصل تھا۔ جوہر نے مثنوی میں اس شادی کا  
 ایک دلچسپ مرقع پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنی مثنوی میں واقعات کی ایسی  
 پُر اثر عکاسی کی ہے کہ نظروں کے سامنے مناظر متحرک سہ جاتے ہیں۔ ہر مرقع  
 پر انھوں نے تاریخیں بھی مرتب کی ہیں۔ نواب اعظم کی شادی کی تاریخ  
 انھوں نے اس طرح لکھی ہے



ہزار و دوصد اور چھٹ میں آغاز کی نواب کی شادی بھدناز  
 تہی ساعت نیک اور تنہا ماہِ رجب بہم رسماں سکے کرنے کو دل تہ  
 شادی کے موقع پر ضیافت اور رقص و موسیقی کی محفلوں کی پوری تفصیل  
 انہوں نے دی ہے جس سے اس عہد کی طرز معاشرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔  
 ۱۲۷۳ھ میں نواب اعظم کا انتقال ہوا۔ بیماری، وفات اور جلوس جنازہ کی  
 ساری تفصیلات اس منگھوی میں موجود ہیں۔ بعض ایسے واقعات کا تذکرہ بھی  
 اس میں ملتا ہے جو کسی تاریخ میں نہیں ملتے۔

تہا اس کی عمر کا بتیسواں سال زمانے کا تہا حاتم وہ ہما فال  
 گیا پھوٹ اس کا جام کامرانی نہ دیکھا عیش ہائے زندگانی  
 نواب اعظم کے سانحہ ارتحال پر شاہی محل میں کھرام بج گیا۔ اس رنج و غم کو  
 شاعر نے بڑے پردرد انداز میں بیان کیا ہے۔

عمل میں تہا ادھر یک غم کا چرچا ادھر مردان میں تہا یک شور و غوغا  
 تہے باہم حج چورستے بہ عالم چلے تھے عجب یک شور ماتم  
 کوئی کہتا تہا کہ آنکھوں کتیں تر کوئی جادو کا ٹپ پہنکا ہے شہ پر  
 کوئی کہتا نہ ٹونا ہی نہ جادو فقط کوی زہر دے مارا ہی اس کو

خلایق سب ننگے کرنے کو ہدایت بہم کئے طرح کی کرتے تھے بل بات  
نواب اعظم کے جلوس جنازہ کے راستہ میں ایٹ اندیا کمپنی کی گھوڑے سوار  
فوج دو طرفہ صفیں باندھے سید لباس اور ہاتھوں میں تلوار لئے آخری سلامی  
کے لئے غم میں سو گوار کھڑی تھی سہ

تھے آکر کمپنی کے بھی سوار ان کھڑے حجرے کو شہ کے غم سے گریاں  
دو طرفہ باند کر صف ایدہر اودہر کھڑے تھے جمع ہو بلا دیدہ نتر  
لباس اُن کا سیہ ہاتھوں میں تلوار وہ غم کا حال جمہ سے پوچھت یار  
جنازہ دیکھ کر گھوڑے سوار ان کرے قانون سے مجرا ہو گریاں  
عجب غم کا سمایا ہو گیا تھا، جدہر دیکھے اُدہر چرچا تھا غم کا  
جوہر نے نماز جنازہ اور تدفین کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ چند

شعر ملاحظہ ہوں سہ

جب مسجد میں پہنچا وہ جنازہ لگا ہونے کو ماتم ایک تازہ  
کس نے دہر کے اپنے منہ پر رومال یہہ کچھ رویا کہ آسکھیں ہو گئیں لال  
تھے کہتے کر کے ماتم خاص اور عام محمد غوث خاں کا گم ہوا نام  
زمین و آسمان روتے تھے باہم بڑے چوڑے بہم کرتے تھے ماتم

نماز اُس کے جنازے کی پڑے جب چلے سوئے مرقد شاہ کو تب  
 بڑی مسجد میں ہے ہڈ واط اُس کا ہوا مدفون اسی باعث اُس جا  
 مسجد والا جا ہی کے وسیع احاطہ میں خاندان والا جا ہی کا ایک ہڈ واط  
 (خاندانی قبرستان) ہے۔ یہیں نواب اعظم کی تدفین اُن کی والدہ کے پہلو  
 میں عمل میں آئی۔

بن اس کے پہلوئے مادر تھا خالی کیا جا اُس میں جا کر شاہ عالی  
 نواب اعظم کی تدفین کے بعد خلق کی حالت جو ہر نے یوں بیان کی ہے کہ  
 پہرے مدفون کہ جب خلق اس کو جہاں ویران نظر آتی ہتی ہر سو  
 کیا مرقد میں ادھر اپنی منزل ادھر عالم کو چھوڑا کر کے بسمل  
 ان ہی اشعار پر ”اعظم نامہ“ کا اختتام عمل میں آتا ہے :

### اعظم نامہ کی ادبی اہمیت

مثنوی ”اعظم نامہ“ سے نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم کے عہد کی طرز معاشر

اور سیاست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس مثنوی میں  
 اُن کی پیدائش، تحت نشینی، شادی، ضیافت، رقص و موسیقی کی محفلوں  
 ان کی موت کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں بھی ہیں اُس

دور کی ایسی بھرپور اور جامع تصویر نظر نہیں آتی جیسی کہ اس مثنوی میں دکھائی دیتی ہے۔ اس مثنوی کی اہم خصوصیت حقیقت نگاری، تسلسل بیان، وصف مکان و زمان، مناظر اور نفسی کیفیات کی توضیح و تشریح ہے۔ یہ مثنوی اپنے عہد کے ماحول اور معاشرت کی بولتی تصویر ہے اس میں نہ مبالغہ آرائی ہے اور نہ کوئی خلاف حقیقت واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جوہر نے اس مثنوی میں والاہا ہی تہذیب کے خدوخال بڑی خوب صورتی سے پیش کئے ہیں۔ جوہر کو منظر کشی اور محاکات نگاری میں کمال حاصل ہے۔ ان کی توضیحی بیانات میں جزئیات نگاری کے عنصر نے صداقت اور اصلیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ جوہر نے نواب اعظم کی تخت نشینی اور اُن کی شادی کے موقع پر ضیافت اور محفل رقص و موسیقی کے جو واقعات اور مناظر کی متحرک اور گویا تصویریں پیش کی ہیں اُن سے والاہا ہی عہد کے تہذیبی مظاہر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں۔

جوہر کو سراپا نگاری پر بھی قدرت حاصل ہے۔ انھوں نے اس مثنوی میں نواب اعظم کے حسن کا بڑا دلنواز مرقع پیش کیا ہے۔ نادر اور اچھوتی تیشیہا نے سراپا کو حقیقت پسندانہ اور پُر اثر بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ مثنوی میں جوہر نے بڑے اعتماد اور تسلیق کے ساتھ صنائع بدائع کا استعمال کیا ہے۔

رعایت لفظی، مراعات النظیر اور مناسبت و بر محل تشبیہات و استعارات نے جوہر کے شاعرانہ بیانات کو بڑی مصنوعیت عطا کی ہے۔ جوہر کو زبان پر قدرت حاصل ہے۔ انھوں نے جا بجا اپنے عہد کی زبان میں استعمال ہونے والے محاوروں کو بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے۔

ہلال ابرو گہر دندانِ صد گوش — چمک ہنسنے میں برقی خرمین ہوش  
وہ بادامی دو آنکھیں دام گویا — سراسر تھے شرابی جام گویا  
کیا پھوٹ اس کا جام کلامی نہ دیکھا عیش ہائے زندگانی

صرفی تجزیہ : اعظم نامہ لسانی اعتبار سے ایک عمدہ اور دلچسپ مثنوی ہے۔ جوہر دہمتی کے عام صرفی اور لسانی اصولوں پر کار بند نظر آتے ہیں۔  
اسم کی جمع : اسم کی جمع بنانے کے لئے دکنی زبان میں عام طور پر 'ا' اور 'ن' کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسے فقیر سے فقیراں، امیر سے امیراں وغیرہ۔ جوہر نے بھی جمع بنانے کے اسی عام اصول پر بہ کثرت عمل کیا ہے جیسے  
"ہوئے چھٹی کے اور چلے کے رسا" بصد حشمت بصد شوکت بصد شال  
فقیراں اور امیراں بے نوا یاں غریباں بیکساں بے دست و پایاں  
گہراں میں عورتاں باہر مرداں — تہے روئے پیٹ کر سینے کو ہر آن

واحدہ کر کی جمع : جو ہر نے بعض جگہ واحد مذکر کی جمع (یں) کے اضافہ سے

بنائی ہے۔ جیسے شربت سے شربتیں۔

ہی رنگارنگ کے شیشے دہرے تھے انہوں میں شربتیں یکسر بہہ رہے تھے۔  
جنس۔ (مذکر۔ مونث) : جو ہر نے دکنی روایات کے مطابق بعض مونث

الفاظ کو مذکر استعمال کیا ہے جیسے۔

لکھوں کیوں کہ میں مجلس کا تماشا نہ جس کو ابتدا تھا انتہا تھا

علامت فاعل : علامت فاعل "نے" ہے۔ دکنی ادب پاروں میں اس

علامت کا استعمال یا تو سرے سے مفقود ہوتا ہے یا شاذ و نادر ہی اسے برتنے

ہیں۔ چنانچہ جو ہر نے بھی اپنی مثنوی میں علامت فاعل "نے" کا بہت کم استعمال کیا

ہے اور جہاں کیا ہے وہاں غلط استعمال ہوا ہے۔

یہ سن دادی تے آئی ہو کے غم ناک بہ لب نالہ بہ دل غم دیدہ نم ناک

ضمیریں : دکنی میں ضمیریں اور ان کے روپ بہت ہیں۔ "اعظم نامہ" میں

کئی جگہ ضمیر شخصی جمع غائب "وہ" کے لئے "وے" اور "ویے" استعمال ہوا ہے جیسے

وے روروی بیاں دامن کو کر نم۔ تسلی اُسکتیں دیتے تھے ہر دم

تماشائی جلد ہر دیکھے اُدھر کو۔ جیے رقاصوں پہ کہوئے تھے نظر کو

اس طرح ضمیر تنکیر "کس" کے لئے "کسو" استعمال ہوا ہے۔ جیسے ۛ  
 کسو نے دہر کے اپنے منہ پر رومال یہہ کچہ رویا کہ انگلیں ہو گئیں لال  
 کسو کے تن میں یکسر سرخ پشتواز۔ کوئی پہنی تھی عباسی بعد نماز  
 کوئی تھی تالیاں ہر دم بجاتی کسو کی تان پر کوئی سر ہلاتی  
 ضمیر شخصی متکلم واحد "اپے" "آپ" کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے ۛ  
 محمد خود اپنے فرمائے ایسا مجھے جس نے کہ دیکھا رب کو دیکھا  
صرف اضافت : جوہر نے مثنوی میں کئی جگہ صرف اضافت کا استعمال ہی  
 نہیں کیا ہے۔ جیسے ۛ

اُسکے عشق کا کر شمع روشن یہہ جگنے اڑتے پھرتے ہیں بہ گلشن  
 پہلے مصرع میں "کر" کے بعد "کے" ہونا چاہیئے۔ اسی طرح انہوں نے لکھا ہے ۛ  
 صراحی میں لے پانی چند مہ رو۔ پلاتے تھے ادھر ادھر بہر سو  
 نماز اس کے جنازے کی پڑے جب چلے لے سوئے مرقد شاہ کو تب  
 پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں اور دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں "لے"  
 کے بعد "کر" ہونا چاہیئے تھا۔

قدیم املا : ساری مثنوی میں جوہر نے ہائے مخلوط یا دو چشمی (ھ) کے بجائے

ہائے ہوز (ہ) یعنی کہنی دار (ہ) کا استعمال کیا ہے۔ جیسے تہی (سقی) تھا (سقا) تہے (تھے) کچھ (کچھ) جچھے (جچھے) رکھا (دیکھا) رکہ (رکھ) پرتے (پرتے) مٹھائی (مٹھائی) اور بھیجی (بھیجی) وغیرہ یہی املا اس مطبوعہ مثنوی میں برقرار رکھا گیا ہے۔ اس مثنوی میں یائے جمہول (ے) کی جگہ یائے معروف (ی) کا استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ "ے" کے لئے "ہی" استعمال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کئی جگہ یائے معروف کے نیچے دو نلفطے (ی) بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ املا بھی اسی طرح برقرار رکھا گیا ہے۔

جوہر نے املا کے لحاظ سے تحریر میں عام بول چال کے لفظ کو من و عن قبول کر لیا ہے۔ جیسے انہوں نے "سیٹھ" کے بجائے "سیٹ" اور "کیمیا" کے بجائے "کیما" استعمال کیا ہے۔ یہ طریقہ قدیم دکنی روایات کے عین مطابق ہے۔ جوہر لکھتے ہیں کہ

جو عاجز تہے غردری سے وہ تن گئے — غنی جیوں ساہوان اور سیٹ بن گئے  
تہی اس کی ذات بولٹی کیما کی جو تانا تھا اُس کو زہرینادی  
اسی طرح ایک جگہ لحاظِ املا "اڑدھام" کے بجائے "اڑدھام" استعمال کیا ہے۔  
نظر دیکھ اٹھا جس جا اوہر کو نظر یک اڑدھام آتا تھا ہر سو



اعداد : اعداد کے لحاظ سے بھی جوہر نے اپنی مشنوی میں (۵) کو ترک کر دیا ہے اور بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ ایک کے لئے 'یک' لاکھ کے لئے 'لک' سترھویں کے لئے 'سترویں' استعمال کیا گیا ہے۔

تہی پیلی دھوپ کچہر یک وہاں تہا پیا — لیا تہا روپ یک تازہ گلستاں  
 فقیراں سب اسی سے لک پتی بن — لکے اینٹے ہوئے پھرنے کو تن تن  
متروک الفاظ : "اعظم نامہ" میں ایسے الفاظ خاصی تعداد میں ہیں جن کا استعمال جدید اردو میں متروک ہے۔ جیسے تہیں (خاطر، لے، واسطے) کیتیں (کے لے، کے واسطے) کبھو (کبھی) تسپر (اس پر) اور پے (بے) وغیرہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

محمد غوث خاں نواب رکھ نام — لکے پانے کتیں لاکھوں سے انعام  
 خیال اس شام کے شادی کا لائی — بہتھی کتیں اپنے بلائی  
 ہوئے سب نوکراں اور آپ کے تہیں — ضمانت میں خدا کے اب دیا میں  
 کبھو ماتھے پر انگلی گاہ لب پر — کبھو اخیل کو لے منہ پر سر اسر  
 ہزاروں خادماں نت پے کم دکات — لکے رہتے پس پیش وچپ راست  
 قدر قامت تہی اس کی یک قیامت — تہی تنک گی کنی تسپر طاحت

غرض "اعظم نامہ" پر دکنی رنگ نمایاں ہے۔ اگر ان قدیم دکنی الفاظ کو خارج کر کے دیکھا جائے تو یہ مثنوی موجودہ دور کی معیاری زبان کہلانے کی مستحق ہے۔ طرز بیان کے لحاظ سے یہ مثنوی اپنے عہد کی ایک بہترین مثنوی ہے۔ اگرچہ بعض جگہ مصرعوں میں جھول نظر آتا ہے لیکن بعض مقامات پر مصرعوں کی بندش اور چستی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

### صوتی تجزیہ

مثنوی "اعظم نامہ" بحر ہزج مدس مخدوف، مفاعیلن مفاعیلن مقصورن کے وزن پر ہے۔ یہ فارسی کی ایک قدیم صنف "ترانہ" کے وزن پر ہے۔ علامہ اقبال نے اس وزن پر چار مصرعوں والی کئی نظمیں سکھی ہیں اور ان کو رباعی کہا ہے۔ بحر ہزج بڑی موسیقیت رکھتی ہے۔

الفی مسموع مصمتے : مثنوی اعظم نامہ میں الفی مسموع مصمتے ن اور م کی مشترک آوازیں قافیوں میں بکثرت استعمال کی گئی ہیں جس سے ساری مثنوی میں ایک تاثراتی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس مثنوی کا پہلا شعر ہے

عجب قادر ہی وہ خلاق مجبور اُسی سے خلق ہیں موجود و نابود

اس شعر کے پہلے مصرعے میں مجبوس اور دوسرے مصرعے میں نابود قوافی استعمال کئے گئے ہیں۔ ان قوافی کے سرِ حرف "م" اور "ن" سے شروع ہوتے ہیں جو "الفی مسموع مصمتے" ہیں اور آخر میں "د" بھی مسموع ہے۔ اس سے مثنوی کے صوتی آہنگ میں غنائی صورت پیدا ہو گئی ہے۔

اس مثنوی کے دوسرے شعر میں سے

کرے ہی نیستی کو گاہ ہستی      کرے ہی گاہ ویرانے کو بستی  
ہستی اور بستی قوافی استعمال کئے گئے ہیں جس کے آخر میں "ی" حرفِ علت ہے۔

اس شعر کے ہر مصرعے میں پانچ مرتبہ حرفِ علت "ی" کا استعمال ہوا ہے اور دونوں مصرعوں میں حرفِ علت برابر برابر تقسیم بھی کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے موسیقی کی ضرورت کے مطابق انہیں کیچنچ کر بیڑھا جاسکتا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں رقم طراز ہیں: "حروفِ علت کی کمی بیشی شعر کی کیفیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چھوٹی یا طویل بحر میں حُزن دیاس کی کامیاب ترجمانی کا انحصار بہت کچھ حروفِ علت کی کثرت پر ہوتا ہے"۔

منشوی اعظم نامہ میں حروف علت کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور اس منشوی کی چھوٹی بحر حزن دیاس کی کامیاب ترجمانی کرتی ہے۔ اس منشوی کا ایک اور شعر ہے ۔

دوات لالہ پُر ہی از سیاہی      نیکے تا حمد بے حد آہی

اس شعر کے پہلے مصرعے میں حرف علت ”ی“ تین بار اور دوسرے مصرعے میں بھی تین بار استعمال کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دونوں مصرعوں میں اضافت بھی تین بار استعمال کی گئی ہے جس سے شعر کے صوتی آہنگ میں توازن پیدا ہو گیا ہے۔ اسی طرح پوری منشوی میں ”ی“ نیم مصوٰۃ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جس کا تعلق حنکی سے ہے۔ اس کی ادائی میں بندش پیدا ہوتی ہے، بندشی اصوات دوسرے اصوات کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور ان ہی اصوات کی وجہ سے ایسائی اور محاکاتی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جو ہر نے اس خصوصیت کا بڑے موثر انداز سے فائدہ اٹھایا ہے۔

ارتعاشی اور صغیری مصمتے : ”اعظم نامہ“ میں ارتعاشی اور صغیری

مصمتوں کی بھی خاصی تعداد ہے۔ جہاں ارتعاشی مصمتوں سے بحر میں صوتی رمز پیدا ہوتا ہے۔ وہاں صغیری مصمتوں سے جذبات میں شدت کا اظہار

ہوتا ہے۔ اس سے صوتی آہنگ میں ایک تاثر اور کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

”اعظم نامہ“ کا ایک شعر ہے

نہیں ہی ہے پلے شرار عشق کوئی سنگ ہی ہر شے میں اسی کے عشق کا رنگ  
اس شعر میں ارتعاشی مصمتے (ر) اور صغیری مصمتے (س ش) کے استعمال  
سے فطری تاثر پیدا ہو رہا ہے۔

کوزی مصمتے : ”اعظم نامہ“ میں کوزی مصمتے کا کم استعمال ہوا ہے۔

اگرچہ یہ آوازیں زور، جوش، سختی، تشدد اور بعض کیفیات کے اظہار میں  
مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن مناسب طور سے اس کا استعمال بھی ضروری ہے۔  
جو ہر نے مشکل سے بارہ یا تیرہ بار ہی ان مصمتوں کا استعمال کیا ہے۔ لیکن  
اس کے استعمال میں اصوات کی رمز کی کیفیات کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔  
چند شعر ملاحظہ ہوں

لے لاکھوں جوتے کوڑی بہ محتاج خوشی کے ملک کا کرنے لگے راج

پڑ ہا یاسین کا سورہ بکیم — وہ اپنے پر سر اسر کر لیا دم  
پڑ ہا اس نیلو فر پر جس گہڑی آب — عجب یک حسن کا اس پر کہلا باب  
جنازہ دیکھ کر گھوڑے سواراں — کرے قانون سے مجرا ہو گریاں

بڑی مسجد میں ہی بڑا ڈاڑ اس کا  
ہوا مدفون اسی باعث سے اُس جا

ڈاکٹر مفتی تبسم نے اپنے ایک مضمون "اصوات اور شاعری" میں اس  
حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "قافیہ یا ردیف ختم صوت /م/ /ن/ /ار/ /ا/ یا  
/ل/ جیسے بجتے ہوئے مصمتے ہوں تو ردیف و قوافی زیادہ خوش آہنگ  
ہوتے ہیں"۔

اس طرح دیکھا جائے تو اس مثنوی میں جوہر نے زیادہ تر ایسے ہی  
مصمتے پر توجہ دی ہے جس کی ختم صوت م، ن، ر، اور ل ہے جس کا  
اظہار مثنوی کے مطالعے سے ہو سکتا ہے۔

غرض صوتی آہنگ کے لحاظ سے یہ مثنوی اپنے اندر بڑی جاذبیت  
رکھتی ہے۔ جوہر نے غیر ارادی طور پر ہی صحیح تسلسل کو برقرار رکھنے کی  
کامیاب کوشش کی ہے۔

# مثنوی اعظم نامہ

۱۲۷۲  
۶۱۸۵۵

قادر حسین جوہر

ل  
مثنوی اعظم نامہ  
یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے تم ہم بالآخر و بہ نستعین ترجمہ: اے رب میرے آسان کر اور غیر سبک پورا کر ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں (قرآن)

عجب قادر ہی وہ خلاقِ معبود اُسی سے خلق ہیں موجود و نابود

کرے ہی نیستی کو گاہ ہستی کرے ہی گاہ ویرانے کو بستی

کہہ دیتا ہی وہ خلاقِ یکتا لگا دیتا ہی نقطِ نیستی کا

جہاں تگ عشق ہی اور عشرت و غم ہی قبضے میں اُسی یکتا کے ہر دم

کہہ دیتا ہی غم شادی کہہ وہ رواں کرتا ہی خیران سو بسو وہ

مئے نور اُس کا ہی درسا غر گل کباب اُس پر ہی اس باعث سے بلبل

ہی قمری کو اُسی کا ذوق اور شوق اُسی کے عشق کی پہنی ہی یک طوق

اُسی کے عشق کا کر شمع روشن یہہ جگنے اڑتے پہرتے ہیں بہ گلشن

اُسی گل کے محبت کا لے دیوان سدا مرغ گلستان ہی غزل خوان

نہیں ہی پے شرار عشق کو ہی سنگ ہی ہر شے میں اُسی کے عشق کا رنگ

لے ہے لے کہی لے تک لے جگنو لے بغیر



پرنسے عشق کا رشتہ لے ہر آن  
دواتِ لالہ پڑ ہی از سیاہی  
کریں مسطر بر اوراقِ درختانی  
یہ کچھ رکھتی ہی جوشِ عشقِ دریا  
کچھ تا حمد بے حد الہی  
اُسی کے عشق میں ہر لحظہ سیلاب  
لبِ دریا پہ کف ہوتا ہی بریا  
سراسر مضطرب ہی مثلِ سیلاب  
اُسی کے شوق میں بالائے دریا  
حباب آنکھ اپنی کرتا ہی سدا وا

دے ساقی بادۂ خورشیدِ اب  
کہ اب مجھ کو ہی کارِ نعتِ دریش  
پلا میرے تئیں جامِ ظہور اب  
محمد باعثِ امن و امان ہی  
سناتا ہوں میں سکھ کر لے کم و بیش  
بلا عین اس کے تین جانو عرب ہی  
خمد چارۂ بے چارگان ہی  
جو ہی انجانِ احمد اس کو جانے  
محمد مصطفیٰ کے فیض سے یار  
سناتا ہوں میں سکھ کر لے کم و بیش  
خلیل اللہ پر ہی نار گلزار  
جو ہی انجانِ احمد اس کو جانے  
کئے آدم کتیں سجدہ ملائیک  
محمد خود اپنے فرمائے ایسا  
غلام زر خریدہ اُن کا تھا ایک  
مجھے جس نے دیکھا رب کو دیکھا

مرے ہر مو کو گر پیدا زباں ہو      ادا اُس کی ثنا کب ہو سر ہو  
نبی پر ہو دردِ حقِ فراوان      اور اُن کی آل و یاران پر بہر آن  
خدا یا کیجئے جو ہر کو سرافراز      کہ اُس پر لطف کے ابواب باز  
بحقِ مصطفیٰؐ اور فاطمہؑ تو      بھد خوبی کہ اُس کا خاتمہ تو

مجھے ایسی ساتی پر لطف و اتفاق      پلا وہ مئے کہ سوں میں جس کا شتاق  
سنا کیفیتِ نوابِ اعظم      جہاں کو خرّمی دیتا ہوں اور غم  
تھا اعظمؒ جاہ کہ نالک کا نواب      اسی سے خلق تھے رب مدعا یاب  
اطاعت میں تھے اس کے خاص و عام      تھا اُس کو کام بخشش کا سحر شام  
عجب حشمت عجب تھی شان و شوکت      ولیکن کوئی نہیں تھا شمعِ دولت  
نہ کوئی قائم مقام اُس شاہ کا تھا      اسی باعث سے غم میں تھا سراپا  
کیا پیران شہیداں کی وہ منت      کہ تا پیدا ہوئی یک شمعِ دولت  
بزرگوں کو نیاز و نذر بھیجا      کہ تا وارث ہو اس دولت کا پیدا  
پہراغاں بھیجتا تھا گہی کے کیسر      ہمیشہ مسجدوں میں مرقدوں پر

کیا قادر ولی کی جا زیارتؑ      رکھ اپنے دل میں پاک صاف نیت  
 ہوا فضلِ خدا جس دم نمودار      ہوا باغِ اُمید اس شہ کا پُر بار  
 جو گذرے نو ہمینے باسعادت      ہوا پید اگلِ باغِ ریاستؑ  
 طوائفِ آغوشی سے ناچتے تھے      لے سازندے ہی سازاں باجتے تھے  
 تھے ہوتے جا بجا تقسیم جوڑے      دو شا لے نو کراں پہرتے تھے اوڑے  
 جد ہر دیکھے اُدھر سب بے غمی تھی      جہاں جا بجا یک خرمی تھی  
 ہوے چٹھی کے اور چھلے کے رساں      بصد حشمت بصد شوکت بصد شان  
 فقیران اور امیران پے نواباں      غریباں بیسکاں بیدت و پایاں  
 دو شا لے سیم و زر پایا کے انعام      لگے پہرنے دعا کرتے سحر شام  
 منجم اہلِ دعوت اور رمال      مشایخ ذی کمال اور صاحبِ فال  
 بہم ہو جمع باصد عیش و عشرت      دن اچھا دیکھ کر اور نیک ساعت  
 محمد غوث خاں نواب رکھن نام      لگے پانے کتیں لاکھوں سے انعام  
 دُو گانہ شکریہ کا کر ادا مان      لگی کہنے کتیں ای میرے سبحان

۱۸۳۳ء میں ناگوریا ترجیا پالی اور ارکاٹ وغیرہ کی مختلف درگاہوں کی زیارت  
 کی تھی۔ نادر نے اس سفر نامہ کو مشنوی کی صورت میں نظم کیا تھا۔ اس کا ایک مخطوط ادارہ ادبیات اُردو  
 میں محفوظ ہے۔ ۱۸۳۸ء نواب محمد غوث خاں ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۸۴۲ء بروز چہار شنبہ  
 دس بجے دن پیدا ہوئے۔ ۱۸۴۸ء چھٹی اچھٹی تاریخ۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد چھٹے روز کی تقریب —  
 لگے چالیسواں دن۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد چالیسویں دن کی تقریب — ۱۸۴۸ء

ترے سے جو رکھے امید ای رب  
 مرے ہر مو کو گر لاکھوں زباں ہو  
 یہ کہہ کر شادماں ہو پے نہایت  
 ہمیشہ روز و شب شام و سحر وہ  
 سو سال اس پہ جب گذر افضار  
 لگے رونے کو یہ کچھہ مل کے عالم  
 سکھوں اس غم کا گر احوال سارا  
 چچاؑ تھا نائب مختار دولت  
 چچا اور ماں کے سائے میں پلا وہ  
 اتالیق اور استاد ہی تھے بیش  
 ہزاروں خادماں نت پلے کم و کاست  
 وہ ہو مایوس تیرے سے پہرے کب  
 ادا یہ شکر میرے سے کہاں ہو  
 پس پر وا کئی چشم حفاظت  
 لگی رکھنے کو بیٹے پر نظر وہ  
 تب عظم جاہ باپ اس کا سدھار  
 بہا آنکھوں سے دریا ان کے اُردم  
 تو ہو گا طول یہہ قصہ سراپا  
 تھا اُس کے ہات کار و بار دولت  
 تھا رہتارات دن چنگا بہلا وہ  
 لگے رہتے تھے اس کے گرد اور پیش  
 لگے رہتے پس و پیش وچپ و راست

مجھے بہتری ساقی مے پلانا  
 رسائی تارے دل کی رسا ہو  
 ہی دل میں تخت پر شہ کو بیٹھانا  
 نیا مضمون مرے سے ادا ہو

اٹھارہ سال کا وہ مہ سہوا جب بیٹھا کہ تخت پر شہ کو بیگم  
 نہ ایط کا بیت اور ہندو برہمن یہاں کے جمع ہوں انگریز باہم  
 ہزار و دو صد اٹھاون امی یار ستر و اسی ماہ رجب کی تھی اُس دم  
 وہ زیبا تخت پر شہ کی تجلی جب اس کا تخت پہ وہ شاہ بیٹھا  
 تھے پہرتے خادماں آراستہ یوں لباسِ ارغوانی زعفرانی  
 لباسِ بسبز کوی اور صندلی کوی وہ انگریزوں کی با صد شان و شوکت  
 ہوئے جب دن کے دس گھنٹے نمایاں دہرے لالچت اقسام اقسام  
 بیٹھائے تخت شاہی پر اُسے تب تنہا الفنسٹن گورنر شاہ و خرم  
 صفان باندھے تھے بیٹھے جملہ بن عٹن خوشی اور خرمی کرتے تھے ہر دم  
 سن ہجری تھا عالم میں نمودار کہ جس دم تخت پر بیٹھا وہ اعظم  
 کہ چلکے جس طرح بدلی میں بجلی وہ و خورشید حسرت میں تھے اُس جا  
 پہرے طاؤس سیر باغ میں جیوں تنہا نافرمانی بھی اور خسروانی  
 کوی گیندی تنہا پہنا بلدی کوی لنگھ کر نے کتیں مل کر ضیافت  
 چنے لا میز کا جو تھا سو سامان نہ دیکھے ہو کوی از روم تا شام

دو طرفہ جا بجا میوے رچتے تھے  
 کہیں سیب وہی پختے سر اسر  
 دہرے تھے کاسہ ہائی نادر چین  
 بھی رنگارنگ کے شیشے دہرے تھے  
 مٹھائی فیرفی فالودہ نر ،  
 کہیں شامی کباب و مرغ بریاں  
 کسی جا جمع مرد آدمی تھے  
 انہوں کے رو برو بھی نعمتیں لا  
 بیاں کرتے ہوئے لذت کا ہر دم  
 وہ پا کر کھانے کھانے سے فراغت  
 صراحی میں لے پانی چند مہ رو  
 دو طرفہ پان دان چنگیروان لے  
 کئے تقسیم جس دم پہول اور پان  
 گلاب و عطر و مشک ناب و عنبر  
 ضیافت میں کٹا جس وقت وہ روز  
 فقط پختے نہ کنولے اور کچے تھے  
 گلابی جام تھے خوش باس میں بہر  
 سر اسر خوش نما تھے اور خوش آئین  
 انہوں میں شر بتیں یکسر بہرے تھے  
 بتا شے اور اندر سے تھے یکسر  
 کہیں تھے کوفتے اور تھے کہیں نان  
 مقید ہو بدام خرمی تھے  
 پختے اقسام کے خدام ہر جا  
 لگے یہہ نعمتیں چکنے کو باہم  
 صفاں باندھے ہوئے بیٹھے بشوکت  
 پلاتے تھے ادھر ادھر بہر سو  
 خوشی سے چل دئے تقسیم کرتے  
 لگے تب بانٹنے خوشبود کے چیزاں  
 لگے تقسیم کرنے ادھر ادھر  
 تب آئی شب نہایت خاطر افروز

کمرے روشن چراغاں سے محلیوں      تاروں سے رہے روشن فلک جیوں  
 کئے روشن کہیں بلور کے جھاڑ      نہ دیکھے ہو کوئی اس طور کے جھاڑ  
 کہیں گیندی کہیں سرخ دھڑ سے تھے      سراسر روشنی سے سب بہرے تھے  
 کہوں کیا وہاں عجب یک روشنی تھی      زمیں سیلاب کی یکسر بجی تھی  
 لگے آنا پہنچنے کیتیں طوائف      بہم کہتے ہوئے مل کر لطائف  
 لباسیں تن میں تھے انعام انعام      دلاں پر پھمکتی تھیں عشق کا دام  
 کسر کے تن میں یکسر سرخ پشتواڑ      کوئی پہنی تھی عباسی بھندار  
 تھیں اس پر اوڑنی خوش رنگ اوڑے      سراسر انجیل اس کو زرد کار جوڑے  
 لگا انگٹے کو زر کے ڈوریاں سب      تھیں پہنی خرمی سے گوریاں سب  
 سراسر ارغوانی استین تھی      ٹلکی نکھی سنہری ہر کہیں تھی  
 لگانہا گہنگرو بھی ایدھر ادھر      چمک بجلی کی اس میں تھی سراسر  
 کٹوری پر چمکتے چمکیاں یوں،      جھمکتے دم بد مہروں بجلیاں جیوں  
 کوئی گاتی سختی طمانہ بدادا      کوئی ٹپہ کوئی جنگلہ سہیلا  
 ڈھلک کر چل دی پال بجا کوئی      تھرک کر ناچتی تھی چھچھا کوئی  
 وہ جھک جھک کر سران کیتیں ہلاتے      وے ٹھوکر مار گھونگر و کو بجلیاتے

کبھو ماتھے پر اُن گلی گاہ لب پر  
 عجب آئین سے وہ ناچتے تھے  
 وہ بہزنا کٹکری کا اور آلاپ  
 گیسب اہلِ عفل کا بیگہل دل  
 کوئی تھی تالیاں ہر دم بحباتی  
 کسو نے ہانپ کر بس ناچتی تھی  
 کبھو ہٹ ہٹ کبھو بڑ بڑ کے آگے  
 خوشی سے چٹکیاں چل چل کے ہر آن  
 بصد ناز و ادا موتی کے مالے  
 وہ بالا کان کا تنہا دامِ عالم  
 تماشا یی جد ہر دیکھے ادھر کو  
 وہاں کے اہتمامی لوک مل کر  
 سلام آپس میں کرتے ایک سے ایک  
 بہم عورات انگریزوں کے مل کر  
 اچیل کر ناچتی تھیں ہو کے خرم  
 کبھو انچل کو لے مُنہ پر سراسر  
 کہڑے سازندے سازاں باجستے تھے  
 وہ چلنا ڈھونڈی کا تھاپ پر تھاپ  
 ترڑپنے کو گنگے مانند بسمل  
 کسو کی تان پر کوئی سر ہلاتی  
 کسو نے تال پیچھے باجستی تھی  
 بہم مل ناچتے تھیں گیت گاکے  
 کوئی محبوب لگاتی تھی بصد نشان  
 گلے میں گلی رغاں تھیں اپنے ڈالے  
 تھے پلٹے جھوک کہا جھکے بہر دم  
 دے رقاصوں پہ کہو لے تھے نظر کو  
 تھے پھرتے جابجا اور ایدہر اور ہر  
 تھے پھرتے کام میں ہو سر خرو نیک  
 ملا ہاتھوں میں ہاتھ ہاں ہو کے خوشتر  
 منتہا گانا انہوں کا دام سے کم  
 نہ تھا



ہوئے تھے جمع اُس جا اجنبی لوگ  
 شہنشاہ کا دُٹکیہ یک لگا کر  
 وہ بیٹھا تھا نہایت ہر کے شاداں  
 نہری پیکداں بھی یک دم مری تھی  
 کھڑے تھے دست بستہ چو بداران  
 وہ محفل میں نظر آتا تھا یوں شاہ  
 لکھوں کیوں کر میں مجلس کا تماشا  
 سراسر خرمی میں جب کٹی شب  
 قدیمی جو کہ ہی قانون اُن کا  
 لگے جانے کو سارے دعوتی مل  
 لگا رہنے خوشی سے شاہ جاوید  
 نتہا دل پر تو کچھ رنج و غم و بار  
 دیکھتے اپنے پوشا کون کا کل جھوک  
 تھا بیٹھا اپنے مسند پر بصد فر  
 دہرا ایک روبرو حقہ بصد شان  
 سراسر سرخئی پان سے بہری تھی  
 تفاوت با ادب کہتے تھے ہر آن  
 ستاروں میں ہے جس طرح سے ماہ  
 نہ جس کو ابتدا تھا انتہا تھا  
 سُپیدی صبح کی ہو گئی عیاں تب  
 اُسی قانون سے کہ شہ کو مجرا  
 مزا اس جشن کا لے ہو کے خوش دل  
 اُسے شب تھی برات اور روز تھا عید  
 خوشی سے تھا تھا ہر دم سر دکار

شتابی دے مجھے ساقی شراب اب  
 بہارِ تازہ ہی ہر جا نمودار  
 کہ شادی کا ہی ہوتا فتح باب اب  
 پہر ایسا ہو کہاں وقتِ طرب بار

بہو بیگم جو تھی اس شہ کی مادر  
 خیال اس شاہ کے شادی کا لائی  
 روانہ کر خطوط اس نے ہو دلشاد  
 بہتھی اس کی جب آئی بھدشان  
 بہو بیگم بھدشان و بھدفر  
 ہزار و دو صد اور چوٹ میں آواز  
 تھی ساعت نیک اور تہا ماہ رجب  
 دو وقتہ لوگ آتے تھے دو طرفہ  
 دو جانب نعمتیں بس پک رہے تھے  
 بہر لحظہ ادھر سے اور ادھر سے  
 ٹکوریوں کا وہ شہنائی کا بجنا  
 وہ بجنا جہانچ اور وہ شعور قمرنا  
 وہ نوشہ آ کے مندر بھدشان  
 جوانی دیکھ بیٹھ کی ہونو شتر  
 بہتھی کے نیس اپنے بلائی  
 بلا نہ بھی شتاب از حیدر آباد  
 ٹرپ اور بار کے ہمراہ جوانان  
 لے آئی اس کو استقبال جا کر  
 کئی نواب کی شادی بھدنا د  
 بہم رسان کچے کرنے کو مل تب  
 بہم مل کہانے کہاتے تھے دو طرفہ  
 بہم مل دعوتی سب چک رہے تھے  
 تھے بچے شاد دیا نے کرو فر سے  
 وہ نقارے کا ہر لحظہ گر جنا  
 ہوا تہا بند گوش پیر و برنا  
 تہا بیٹھا اور کہا تا دم بدم پان

فرشتے میں کب آئے خوبی اُس کی  
 عجب اُس کے ادائیں خوبیاں تھیں  
 وہ بادامی دو آنکھیں دام گویا  
 نبات اُس کی متقی بات اور شکریں لب  
 اُسی کے رُخ کا بلبل دل میں لاشوق  
 بنا قد سے اُسی کے سر و گلشن  
 بدن گورا بٹے سارے خم و چم  
 وہ گل رخسار تھا اور نہ جبیں تھا  
 ہلال ابرو گہر دندان حد فگوش  
 قد و قامت تھی اُس کی یک ثبات  
 صراحی سی وہ گردن خوش نمایوں  
 ذقن کا سیب آ سیب دل و باں  
 لٹکتے تھے دلائل اُس چاہ میں رہا  
 کہ لٹکتے چاہ میں باروت نے جیوں

لے مصری - قند لے گل  
 لے ان کے اضافے سے دل کی جمع بنائی گئی ہے

مصفا سینہ اُس کا تھا جہاں تاب  
 شکم تہا نرم مغل سے دو چنداں  
 وہ ناف اُس کی نہ تھی گرداب سے کم  
 کروں کیا گفتگو وصف کمر میں  
 دو ران اُس کے دو مندل کھستون تھے  
 مصفا ساق تھے بلور کے کہام  
 مصفا تھا کف پا اور خوشتر  
 قد و قامت تھی اس کی یک ثبات  
 فلک اُن ناخنوں کے شوق میں آ  
 ہو پیدا خلق میں ایسا جواں کب  
 طوائف رو برو تھیں اس کے آتے  
 عجب سالو کے بنگڑیاں تھے نمودار  
 عجب یک وقت تمہادہ خاطر افروز  
 کہ جس کو دیکھہ آئینہ ہوا آب  
 حریری کی تہا نرمی پر وہ خنداں  
 ہزاروں غرق تھے دل اُس میں باہم  
 نہ آتی تھی تصور کے نظر میں  
 کہ آگے جس کے پیریاں سزنگوں تھے  
 لیا زانو سے آئینہ صفا دام  
 کب اُس کے آئینہ ہووے برابر  
 تھی نمک کی کئی تسیر ملاحظت  
 مہ نو سے ہی یک نقشہ تراشا  
 کہ حوریں دیکھہ بہولیں حوریں سب  
 تہرک کرنا چتی تھیں چھچھماتے  
 نہری تھیں پیٹے جسکتیں تار  
 نمایاں تھی نشاطِ جشنِ نوروز

تھی پہلی دھوپ کچھ ایک وہاں نمایاں      لیا تہا روپ یک تازہ گلستان  
غزل جو ہر کی لے کو یی ایک دلبر      دہر اُس کو سوزِ نیرِ بی کا سراسر  
عجب یک سوز سے گانے لگی وہ      بلا عالم پہ یک لانے لگی وہ

## غزل

قیامت ہی ترا محفل میں آنا      دہڑی مہسی کی تسپریاں کھانا  
مبدلِ شام سے ہی صبح میری      غضب ہی جانِ ترا سُرِ نہ لگانا  
سُکھا کس سے جا مہسی لبوں پر      ہمیشہ لعل سے نیلیم اُگانا  
جو دیکھا خال اُس رخ پر وہ بولا      ہوا کیوں چین میں زندگی کا آنا  
مرے تسخیر کو بس دورِ دامن      تکلف یک ہی چپ زلفیں دکھانا  
دلالتِ بے زبختاں کے ہی خون کی      ترا ہاتھوں پہ یہ مہندی لگانا

۱۔ ”جو دیکھا...“ کی جگہ ”وہ رخ پر خال جو دیکھا سو بولا“ سمجھ کر قلم زد کر دیا گیا ہے۔  
۲۔ ”ترا ہاتھوں پہ...“ کی جگہ ”ترا یہ لعلِ لعلِ پان کھانا“ سمجھ کر قلم زد کر دیا گیا ہے۔

کس نے خوب انگٹے کو کسسی تھی  
 دہڑی مسی کی کوی لب پر جمائی  
 ملائے ایک سے یک ہاتھ میں ہاتھ  
 پری رویوں کا ہنسنا مسکرا نا  
 کوئی بازار کے رستے پر آ کر  
 تھے دروازوں پہ سارے حق کے پڑے  
 بنا پہنچا بنی کے گھر کو جب آ  
 وہاں جو جو کہ تھے رسماں ادا کر  
 ادا کر کہ وہ جلوے کے ہی رسماں  
 سن پینٹ ہو جس دم نمودار  
 کہ اس کے پوست میں ڈوری دہسی تھی  
 اور اس پر شان سے تھی پان کہا ئی  
 جوانان بھی پہرتے چوک کے ساتھ  
 جوانان کا وہ تل تل اُن پر آنا  
 کھڑی دل کو تماشے پر لگا کر  
 تھیں بیٹھی عورتیں وہاں جمع ہو کے  
 خوشی کی یک اُٹھی آواز ہر جا  
 گئے لے جلوہ گہ میں ہو کے خوشتر  
 گیا لے کر بنی کو ہو کے شاداں  
 بڑھو بیگم سدھاری ہو کے بیمار

"ادا کر کہ وہ جلوے کے ہی رسماں" اس شعر کے بعد دو اشعار قلم زد کر دیے گئے۔ حسب ذیل ہیں۔  
 سدا چنگ بھلے اور بے غمی سے  
 تھی دل کشاد ماتی تن کو آرام  
 انہوں کو عیش و عشرت سے تہا نہت کام  
 لے والدہ نواب محمد عوث خاں بہادر جن کا ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۸ء میں انتقال ہوا۔  
 سدا چنگ بھلے اور بے غمی سے

غمِ مادر سے وہ ماہِ شبِ افروز      تہا رہتا نہت بلب آہ و بیل سوز

پلا ساقی مجھے اب بادۂ ناب      کہ اب کہلتے ہیں درد و غم کے ابواب  
 سنا نواب کے مرنے کا احوال      جہاں پر پہنکتا ہوں غم کا کیکال  
 نہیں اس باغ میں کوئی بے خزاں گل      نہیں ہی پے خمار اس بزم کی نل  
 اہل ہی ہستی عالم پہ ہستی      سدا اُس کی ہی اس بستی میں بستی  
 اہل خانہ خراب انس و جان ہی      اہل یک دشمن جانِ جہاں ہی  
 بلا شک بیٹہ وا ہی موت کا درد      مزا اس درد کا چاکے ہی ہر فرد  
 سنا تا ہوں بیانِ مرگِ نواب      کہلے تا درد و غم کا خلقِ پر باب  
 ہنر اور علم میں وہ طاق تھا خوب      عجب حسن و جمال اُس کا تھا مغرب  
 یہہ کچھ تھے یہہک یہہاک اسیقتیں یاد      تھے حیران جو کہ تھے اس کے استاد  
 چڑا دے آستیں گم بہ غضبِ ناک      فلک سے گر پڑے مریخِ بر خاک  
 وہ چہرہ تھا نمودارِ شجاعت      لے حاتم سے خراج اس کی سناعت

پہر ایسا ہو کہاں پیدا سخی مرد  
 دشا لے شال اس کے فیض سے پا  
 تھے پہرتے ناز سے کچن ہو خرم  
 ہمیشہ مار دو شالے کا ٹاپر  
 لئے لاکھوں جو تھے کوڑی کو محتج  
 فقیراں سب اسی سے لک پتی بن  
 جہاں کے جنگم جو سہی یہاں آ  
 سدا ہر شہر سے آتے تھے یہاں خلق  
 جو عاجز تھے غوری سے وہ تن گئے  
 تھی اس کی ذات بوٹی کیما کی  
 پہر ایسا ہو کہاں دنیا میں نواب  
 جب اُس کے چار دن مرنے کے آگے  
 خیر بجلی کے پڑنے کی سنا شاہ  
 نہیں ثانی جہاں ہیں اُس کا کوئی فرد  
 تھے پہرتے اوڑ کر ادنیٰ و اعلیٰ  
 لے گینگٹ شال و دو شالے کے ہرم  
 ہم پہرتے تھے قوالاں ہو خوشتر  
 خوشی کے ملک کا کرنے کچے راج  
 کچے اینٹے ہوئے پہرتے کو تن تن  
 اُسی سے مدعا پاتے تھے دل کا  
 امیراں مفلساں اور صاحبِ دل  
 غنی جیوں ساہوآں اور سیٹھ بن گئے  
 جو تانبا تھا سو اس کو زربادی  
 تھا ہر ایک شخص اُس سے مدعا یاب  
 پڑی بجلی بڑی مسجد پر آ کے  
 ہزار دن بائے وہو کرنے لگا شاہ

لے قوال کی جمع لے فقیر کی جمع لے امیر کی جمع لے مفلس کی جمع

۴۔ ساہوکار سیٹھ ۵۔ گیمیا ۶۔ مسجد والا جاہی



لگا کہنے کو ہو کہ نیم بسمل  
 نگہ ہی آتشِ غم بجھو در دل  
 نہیں بجلی پیامِ موت ہی یہہ  
 مرے حق میں سلامِ موت ہی یہہ  
 قریب آئی ہی میری موت ہی یہہ  
 نہیں کچھ دیر میری موت میں مایہ  
 اجل آکر کھڑی ہی سر پہ اب خیر  
 عدم کے باغ کا دریش ہی سپر  
 یہہ کہہ کہ آنا پر جا فاتحہ دے  
 لگا کہنے کو پہر مایوس ہو کے  
 نہیں پھر فاتحہ کو آویں گے ہم  
 یہہ دولت پہر نہیں اب پاؤینگے ہم  
 ہماری ہو گئی یہی عمرِ آخر  
 یہاں ہیں آج فردا ہیں مسافر  
 یہہ مایوسی کے باتیں سن کے یاراں  
 لگے کہنے کتنیں ہو اشکِ باراں

رہو تم پاس میرے آج کی رات  
 بہت ہی بے قرار ہی مجھ کو ہیات  
 یہہ سن کہ لہم اس شب کو لہ گئے  
 سراسر درد کی دریا میں بہہ گئے  
 قیامت سے منتہی وہ رات کچھ کم  
 کٹی وہ شہ پہ با صد محنت و غم

دم صبحی مسیح الدولہ خاں کو      بلا لاؤ کہا وہ شاہ خوش خو  
 سوار اس پاس دوڑا غم سے روتا      سراسر اشک سے رخسار دہوتا  
 وہ شہ کی کیفیت رو رو سنایا      بعد عجز و نیاز اُس کو بلایا  
 یہ سُن احوال شہ کا خود نہیں آ      دوا دے ہاتھ میں بیٹے کو بھیجا  
 پس سے اس کے شہ کو ناخوشی تھی      سراسر برخلافی سرکشی تھی  
 نہ راضی ہو دوا سے اس کے وہ شاہ      سوار اُس پاس بہر بھیجا بعد آہ  
 طیب اُس پاس آیا القرض جب      تو دیکھ بے قراری میں ہی شہ تب  
 کہ ہی وہ مستعد برقعہ بیٹھا      تنہا اپنے ہاتھ کو پیٹی پیٹا  
 کہا خفقان کا شکوہ عیاں ہی      نہ بیماری کا کچھ نام و نشان ہی  
 توقف کیجئے بہتر میں دن تم      نہ لیجے فصدمیری رائے بن تم  
 یہہ سُن کر اس معالج سے ہو غم ناک      لگا کرنے کو صد افسوس دل پاک  
 غضب سے ہاتھ کی پیٹی کو کہو لا      مکرریوں زباں سے اپنے بولا  
 نہ صحت عافیت پاؤں گا آخر      اسی عالم میں مرجاؤں گا آخر

۱۔ حکیم مہدی المناطِب بہ مسیح الزماں خاں کی خدمت میں کسی نے یہ شعر کہا تھا  
 ۲۔ رگ سے خون نکالنا      مژدے جلانے والے تو آگے ہی چل بسے  
 ۳۔ زندوں کو مارنے کو مسیح الزماں ہوئے

کیا دیوان کو تب یہہ وصیت  
 ادا کیجے جو کچھ ہی دین میرا  
 مرے سب نوکراں اور آپ کیتیں  
 یہ کہہ کر شاہ نے قرآن منگایا  
 دیا بوسے مکرر اور سہ کر  
 پڑھا یا سین کا سورہ بیکنم  
 رکھا یک رو برو تختی منگا کر  
 وہ کلمے پر مقید تھی نظریوں  
 وہ ہر روشن چرخ سحادت  
 عجب یک ڈھب سے دے آنکھیں چڑی تھیں  
 تھے اس کے دست و پا جیوں شاخ صندل  
 قد و قامت جو تھی رشک صندل  
 وہ رخسار جو تھا رشک گل ورد  
 کہ پیسا قرض داران کا کہ موت  
 نہ ہو محشر میں تا دعویٰ کسی کا  
 ضمانت میں خدا کے اب دیا میں  
 دے بوسے اپنے سینے کو لگایا  
 دہرائس کو آنکھ پر گہ گاہ سر پر  
 وہ اپنے پر سراسر کر لیا دم  
 لکھا کلمہ شہادت کا تھا اسپر  
 رہے ہو قید آنکھوں میں نظر جیوں  
 تھا پڑھتا دم بہ دم کلمہ شہادت  
 گویا نرگس کے آنکھیں جھڑی تھیں  
 ہوئے رنگِ کبودی سے مبدل  
 ہوئی یکسر خمیدہ اور لاغر  
 گلِ سوری سا یکسر ہو گیا زرد

وہ ناک اُس کی جو چنے کی کٹی تھی  
 وہ چہرہ اُس کا باغِ بے خزاں تھا  
 جو دیکھا حالِ شہ کا تھا ترستا  
 کہا اس طرح نوابِ فلک جاہ  
 بلا لاؤ محلِ خاص کو جا  
 چچا دادی کو میرے جا بلا لاؤ  
 سوار اس شہ کی بی بی کو بسکدم  
 چچا دادی کو یہ حالت سنایا  
 یہہ سن اس شہ کی بی بی گہا بری ہو  
 وہ چڑھاڑی میں شہ کے پاس آئی  
 سو ایسے میں مواوہ نوجوان ہائے  
 تھا اس کی عمر کا بتیسواں سال  
 گیا پہوٹ اُس کا جامِ کامرانی  
 عجب تھی نوجوانی اس کی ہمیاں  
 ہوا بی بی کو اس کے غم سراپا

لے لے واسطے، لے پریشان، لے بے جان، نامراد، بد نصیب

کہو دی رنگ سے کیسر ملی تھی  
 ہوا فصلِ خزاں کی صبح گویا  
 تھا آنسو اُس کے آنکھوں سے برستا  
 کہو اس حال سے بگیم کو آگاہ  
 مسافر ہوں میں اب راہِ عدم کا  
 انہوں کا میرے تین دیدار دکھلاؤ  
 کہا جا کر یہ ساری حالتِ غم  
 پلٹ کر ہو ہوا شہ پاس آیا  
 سراسر کانوری اور بانوری ہو  
 نہ بات اُس شاہ سے کچھ کرنے پائی  
 عدم میں جا کیا اپنا مکان ہائے  
 زمانے کا تھا حاتم وہ ہما فال  
 نہ دیکھا عیش ہائے زندگانی  
 یہہ قسمت ہی کسی پر کچھ نہیں بات  
 قیامت کا کئی یک شہور بہرِ پا

مثال گل گریباں کو کئی چاک  
 اڑائی سر پہ اپنے دھول اور خاک  
 تہی روتی پیٹ کر سینے کو ای وائے  
 یہ کہتی تھی تجھے دیکھوں گی گلب ہائے  
 ذرا نواب کی صورت دیکھاؤ  
 مرے دل کی ذوا آتش بجھاؤ  
 پکاروں ہائے پہر کس کو میں نواب  
 کھلے ہیں درد و غم کے مجھ پر ابواب  
 مرے قسمت کی کیوں کر آنکھ سوئی  
 مزا دیدار کا یک تھا سو کھوی  
 کہ ہر جاتا ہی تو کہ مجھ کو تنہا  
 ترسے دل ہی میرا ناشکیبا  
 چلے آئے تمامی بیگماں و پاں  
 سوار ی میں سوار اس غم سے گریاں  
 ہوا دل پر انہوں کے داغ پر داغ  
 خزاں دیدہ زمانے کا ہوا باغ  
 کہوں اعظم النساء بیگم کا کیا حال  
 بیان میں اس کے غم کے ہی زبان لال  
 نہ غم شوہر کا دل میں سپہ سکی وہ  
 سوا غم کے نہ چپ ہو رہ سکی وہ

شعر "مثال گل... سے پہلے" گہڑی کے بعد کچھ ایک ہوش میں آئے قیامت کا کئی ایک شور برپا  
 شعر "مثال گل... کے بعد" اُسے بس بخودی یک ہو گئی تھی یہ سراسر ہوش اپنی کہہ گئی تھی  
 شعر "ہوا دل پر... سے پہلے" وہ شہ کی موت اور بیگم کا رونا وہ ہر دم بخود و بے ہوش ہونا  
 یہ تین شعر قلم زد کر دیئے گئے ہیں۔  
 نواب محمد غوث خاں اعظم کی عمل ثانی

ہزاروں ہائے وہو برپا کئی تھی  
 دے رد و بی بیاں دامن کو کر نم  
 نہ سنتی تھی کسی کی بات اور چیت  
 تکیہ ہی نہ نہالی ہی نہ سونا  
 اُسے یہہ کچھ ہی کیا اپنے مرد کا غم  
 جہاں خالی ہی خلوت وہ وہاں جا  
 رنڈاپے کا لباس افسوس افسوس  
 یہہ سن دادی نے آئی سو کے غم ناک  
 یہہ کہتی تھی وہ کر کر شور برپا  
 یہہ کجحتاں ہیں کیسے وائے ای وائے  
 مجھے تھی آرزو بچے کی اس کے  
 چچا کا حال مجھ سے پوچھت یار  
 بہتجے پاس آیا غم سے جب او  
 سراسر سیلِ غم میں بہہ گئی تھی  
 تسلی اس کیتیں دیتے تھے ہر دم  
 فقط شوہر کی اُس کے دل میں تھی پیت  
 ہی اُپس کو کام دن اور رات رونا  
 کہ کرتی آج تک ہی شور ماتم  
 بہاتی غم سے ہی آنسو کا دریا  
 ہی پہنی دست خوپی کی.....  
 بلب تالہ بدول غم دیدہ نم ناک  
 بڑے میاں گیا ہی آج میرا  
 نہ دکھلاتے ہیں منہ اُس کا مجھے ہائے  
 نہ دیکھی ہائے سے اپنی نظر سے  
 کہ غم سے اُس کو جینا ہو گیا بار  
 نہ کچھ باقی رہی طاقت سرِ مو

نفر کے دوش پر ہاتھوں کو دھر کر      لگا چلنے کو آہستہ قدم دھر  
 ندیم الدولہ غم سے رو رہا تھا      اور آپ اشک سے منہ دھو رہا تھا  
 یہہ کچھ دیوان صاحب کو ہوا غم      لگا آہستہ کرتے آہ ہر دم  
 ہی ابتک درد و غم سے سینہ صداک      بلب صد آہ و نالہ دیدہ نم ناک  
 تہا دل میں اس کے غم اور غم میں تہا دل      یہہ کہتا تھا وہ ہو کہ نیم بسمل  
 سہوں کس طرح یہ رنج و الم میں      کہوں اب کس سے جایہ درد و غم میں  
 نہ جان قن میں نہ دل سینے کے مابین      سراسر ہو گیا تھا غم سے بے چین  
 وہ مختار النساء بیگم کو ای یار      ہوا یہہ غم کہ ہی اب تک وہ بیمار  
 کہ اس کے دختران بھی شور بہر پا      بہائے آنکھ سے آنسو کا دریا  
 محل میں تھا ادھر یک غم کا چرچا      ادھر مردان میں تھا یک شور و غوغا  
 تھے باہم جمع چورستے پہ عالم      چمکے تھے عجب یک شہر ماتم

لے نوا محلہ غوث خان اعظم کے دودھ شریک بھائی تھے  
 لکھ نواب مدار الامر مولوی عبدالوہاب دیوان ریاست کرناٹک  
 لکھ مختار النساء بیگم کا ذکر "مثنوی نادر" میں ہے کہ یہ نواب اعظم جاہ کی محل ثانی تھیں۔  
 اس طرح یہ نواب محمد غوث خان اعظم کی سوتیلی والدہ تھیں۔ انھیں تین لڑکیاں بھی تھیں۔  
 وہ بیگم جی کو یہہ کچھ ہو گیا غم یہ کہ کرتی آج تک ہی شور ماتم  
 دیکھتے ہی نہ نہانی جی نہ سوتا یہی اسکو کام دن اور رات رونا  
 شہر کہ اس کے دختران... لکھ  
 یہ دو شہر قلم زد کر دیے گئے ہیں

کوی کہتا تھا کہ آنکھوں کتیں تر  
 کوی کہتا نہ ٹونا ہی نہ جادو  
 غلابی سب سکے کرنے کو ہیات  
 گیا دن جب گذر کہ آگئی رات  
 نسیم آہ سے غم کا کہلا گل  
 کوئی پہر تا کوئی بیٹھا تھا غم سے  
 کوئی چپ تھا کھڑا حیرت میں آکر  
 لگا ابر کرم آنسو برسنے  
 اسی درد و الم سے دل پہ کہا چوٹ  
 لبِ دریا پہ جوشِ غم سے کف تھا  
 بیان اس درد و غم کا پوچھتے تیار  
 تھا ہائے و ہودہ گلشن میں نمایاں  
 الم سے قمریاں کرتے تھے کو کو  
 غمِ فرقت میں اُس گلو کے بلبل  
 سراپا رنگِ نالہ ہو گیا درد  
 کوی جادو کا منٹ پہنکا ہی نشہ پر  
 فقط کوی زہر دے مارا ہی اس کو  
 بہم کئی طرح کی کرتے تھے بل بات  
 دو چن داں ہو گئے عالم پر آفات  
 بجائے خلق مثل بلبلان غل  
 کوئی ٹلٹا کوئی لیٹا تھا غم سے  
 پڑھا تھا کوئی غم سے ہو کے مضطر  
 الم اور غم سے ہر لحظہ ترسنے  
 نکئی چلا کے رونے لوٹ کر لوٹ  
 گہریک اشک در چشمِ صدف تھا  
 لیا تھا حال غم کا سارا گلزار  
 کہ جس گلشن میں تھا وہ تو بہاراں  
 تھی پہر قی کو کتی کوئل بہر سو  
 تھی گلشن میں مچائی شور اور غل  
 لیا داغ اپنے سینے میں بعد درد



ہوا ہر گل کو یہ کچھ درد اور غم  
درختاں مل رہے تھے برگ سے کف  
جہاں تنگ باغ میں چڑھتی جڑی تھی  
نہ آگے کا رہا کچھ رونقِ باغ  
بہانے کو لگا آنسو ز شبنم  
پرندے رو رہے تھے باندھ کر صدف  
سمومِ غم سے مر جہا کہ پڑی تھی  
گل و غنچہ ہی غم سے کہا گئے دراع

رسائی کی پلا ساقی مجھے می  
نہ کر ساغر کے دینے میں تامل  
گہڑی دو چار باقی رات تھی جب  
لگے بل غسل دینے اس کو جس دم  
پڑھا اُس نیلو فر پر جس گہڑی آب  
کہلی پانی سے اس کی یوں تجلی  
عجب یک غسل دینے سے کہلا بہاگ  
کفن اس کے تن نازک پہ تھا یوں  
وہ چادر گل کی جیوں شبنم ہو بر گل  
سحر جس دم گرہیاں کو کسئی چاک  
کہ مجھ کو غسل میتِ روبرو یی  
نہا دہا ہو دفن کو جانا ہی وہ گل  
تہیہ غسل میت کا کئے تب  
لگا ہونے کو پہر یک تازہ ماتم  
عجب یک حُسن کا اس پر کہلا باب  
کہ جیوں برسات میں چمکے ہی بجلی  
ہوی پانی سے روشن خوب یہ آگ  
مڑے گل پر ورق یک تقر دی جیوں  
تہا مثلِ موگر اخوش بو کفن گل  
ہوئے پہر جمع عالم ہو کے غم ناک

بھی آ اطراف کے کھیڑوں سے عالم  
 نظر دیکھے اٹھا جس جا اُدھر کو  
 یہ سچھہ تھے لوگ مارے جمع ہو کے  
 تھے ہو کر جمع کئے اقام کے لوگ  
 جہاں کے سب امیراں اور فقیراں  
 جنازہ لے کے نکلے باغ سے جب  
 بصد غم توپ قلعے میں ہوئے سر  
 گہرائی میں عورتاں باہر سے مرداں  
 چلے آہستہ آہستہ قدم دہر  
 جنازے کو دے کاندہا اس کے یار  
 انتہی کچھہ خرمی غیر از غم و درد  
 تھے چلتے دمبدم کاندہا بدلتے  
 تھے باہم ہو کے کر کے شور و ماتم  
 نظریک اڑ دہام آتا تھا ہر سو  
 لگے کہانے کو خاص و عام دہلے  
 بروگن جو سیان ماتم کالے سوگ  
 برہن کایت اور ہندو مسلمان  
 زمانے میں پڑ ہا یک شور و غل تب  
 عدد میں عمر شہ کے تھے برابر  
 تھے روتے پیٹ کر سینے کو ہر آن  
 لے کاندہے پر جنازہ چشم ہا نتر  
 تھے چلتے لحظہ لحظہ اشکباراں  
 تھا اس کا گرم بازار اس کا تھا سرد  
 تاسف سے غلایق ہاتھ ملتے

سہ لوگ سہ گھر کی جمع سہ عورت کی جمع

سہ نورط سینٹ جارج - مدراس - سہ دتھی

وہ حاجی مرتضیٰ دیوان صاحب      بہی مفتی صاحب و رحمان صاحب  
 تھے چلتے کہو کہ اپنی عقل و ہوش      بلب آہ و بدل از درد و غم جو شش  
 دبیر الدولہ یاصد درد ہمراہ      چلتے تھے دہم دم کرتے ہوئے آہ  
 گزارش خاں طرازش خان خوش خو      جنازے کے ہی چلتے روبرو ہو  
 بیہ جہہ ہر ساتھ تھا کرتا ہوا آہ      انتہا لیکن مسیح الدولہ ہمراہ  
 جنازہ شاہ کا اس درد و غم سے      جب آیا روبرو شادی محل کے  
 عجب شادی محل میں یک پڑا غل      مبدل غم محل سے ہو گیا گل

۱۔ نواب سالار الملک محتشم الدولہ میر آتش خاں محتشم جنگ ماجی قادر مرتضیٰ حسین مرحوم  
 متوفی ۱۲۸۳ھ ندیم خاص و میر بخشی ریاست کرناٹک  
 ۲۔ نواب مدار الامراء مولوی عبدالوہاب صاحب متوفی ۱۲۸۵ھ دیوان ریاست کرناٹک  
 ۳۔ قاضی بدر الدولہ مولوی مصطفیٰ اللہ قاضی و مفتی ریاست کرناٹک (متوفی ۱۲۸۸ھ)  
 ۴۔ حاجی عبدالرحمن قسمت خاں بہادر ولد حاجی عبدالوہاب مدار الامراء  
 ۵۔ حکیم غلام محی الدین المناطی بہ گزارش خاں متخلص بہ شاعر۔ عرض بیگی ریاست کرناٹک  
 ۶۔ سید محمد اسحق طرازش خاں حسن داماد مدار الامراء  
 ۷۔ حکیم مہدی المناطی بہ مسیح الدولہ

اُٹھا وہاں جا بجا یک شور و غوغا  
 سنا جس نے وہ حیرت میں پڑھا جا  
 لگے رونے یہ کچھ ہلکے ہلکے باہم  
 نہ تھا آنسو کا نالہ بحر سے کم  
 تھے اگر کمپنی کے بھی سواران  
 کھڑے حجرے کو شہ کے غم سے گریاں  
 دو طرفہ باند کر صف ایہ ہر اودہر  
 کھڑے تھے جمع ہو بادیدہ تر  
 لباس اُن کا سیہ ہاتھوں میں تلوار  
 وہ غم کا حال مجھ سے پوچھ مت یار  
 جنازہ دیکھ کر گھوڑے سواران  
 کرے قانون سے مجرا ہو گریاں  
 عجب غم کا سمایا ہو گیا تھا  
 جدھر دیکھے اُدھر چہر چا تھا غم کا  
 جنازے میں تھا سوتا مثلِ نوشاہ  
 دلان کوڑے رہا تھا داغِ صد آہ  
 چمک کر دمدم اڑتے تھے گھوڑے  
 لے آتے تھے دے صف میں باگ موڑے  
 سپاہاں شاہ کے کہو عقل اور ہوش  
 قدم آہستہ دہر چلتے تھے خاموش  
 پس و پیش اُس جنازے جو تھے پیل  
 گہراتے بوند آنسو کے تھے پے قیل  
 عمارِ پیٹ پر تھی کس کسایوں  
 عمارِ ماہِ تو کی چرخ پر جیوں  
 نہ آگے کی اُسے تھی زینت و شان  
 بجز شہ کے نظر آتی تھی ویران

جب آ مسجد میں پہنچا وہ جنازہ لگا ہونے کو ماتم ایک تازہ  
 کسو نے دہر کے اپنے منہ پر رومال یہہ کچھہ رویا کہ آنکھیں ہو گین لال  
 تھے کہتے کہ کے ماتم خاص اور عام محمد غوث خاں کا گم ہوا تام  
 غزل یک بر محل جو ہر کی لے کر کوئی پڑتا تھا غم سے چشمہ ماتر

## غزل

ہم اُن آنکھوں کے دیوانے بنے ہیں سر اسرست و مستانے بنے ہیں  
 یہہ کچھہ بے ہوش کی تیری سدا کی دلان اپنے سے بیگانے بنے ہیں  
 ہی کن دانتوں کا اس دل میں مرتعہ مرے سب اشک درد آنے بنے ہیں  
 ہو ہی ہی بے غمی سے غم مبدل جگر عالم کے غم خانے بنے ہیں  
 تری اس تیر مڑگاں کے نشانے سیانے اور دیوانے بنے ہیں  
 تیرے خالِ سیہ کے شوق میں یار سیہ مستان کے کاشانے بنے ہیں  
 اُسی کی آنکھ کے حسرت میں جو ہر  
 گلِ زرگس کے پیمانے بنے ہیں

زمین و آسمان روتے تھے باہم  
 نماز اُس کے جنازے کی پڑے جب  
 بڑی مسجد میں ہی ہڈواڑا اس کا  
 بن اُس کے پہلے مادرِ تہا خالی  
 یہاں پہلو میں ماں کے جیوں تہا ستوا  
 پہرے مدفون کہ جب خلق اس کو  
 کیا مرقد میں اودہرا اپنی منزل  
 بڑے چھوٹے بہم کرتے تھے ماتم  
 چلے لے سُوے مرقد شاہ کو تب  
 ہوا مدفون اسی باعث سے اُس جا  
 کیا جا اُس میں جا کر شاہِ عالی  
 اسی ڈھب سے وہاں بھی سو گیا جا  
 جہان ویران نظر آتی تھی ہر سُو  
 ادھر عالم کو چھوڑا کر کے بسمل

شہر ابیسی پلکے مجھہ کو ساقی  
 کیا میں ختم اب احوالِ ماتم  
 مرے یک مہربان ہیں رحم فرما  
 محمد شاہ اُن صاحب کا ہی نام  
 محمد شاہ تھا لفظِ غلام اب  
 نہ ہوتا شنگی کچھ مجھہ کو یا مٹی  
 نہ ہوئے طولِ تائبہ قصہ عَم  
 اُنہوں کا مجھہ پہ بابِ لطفِ دایا  
 اُنہوں کو ہی مروت سے سدا کام  
 لگا دے تاعیاں ہو سارا نام اب

ہمیشہ مثل طوطی ہیں شکرِ خا  
غدا اُن کی صدا پر دل ہی سبک  
ضیاء الدین صاحب کے ہیں فرزند  
کمندِ خلق میں اُن کے ہی دل بند  
یہی ہندی فارسی میں خوب ہیں طاق  
ہیں کرتے بندگی حق کی سحرِ شام  
کے گل شاخِ خامہ اُن کا جب کل  
فدا شیراز کی اس پر ہو بلبل  
کے مجھ کو کہ کہہ کچھ حالِ اعظم  
رہے تا نام تیرا نت بحال  
سنا جب حکم اُن مشفق کا خوش ہو  
دیا میں انتظام اسِ مثنوی کو

مرے سے مثنوی آخر ہوئی جب  
رکھا نام اس کا اعظم نام میں تب  
تمت تمام شد

قطعہ تاریخ از محمد سرور حسین صاحب فرزند اکرام الدولہ بہادر مرحوم المتخلص بہ اسمی

کیا تعریف با ہزار ادا  
دیا کیا خوب مثنوی ہی کہا

جس دم میں مثنوی کہیں جو ہر  
سال تاریخ اس کا یوں آجکل

قطعہ تاریخ از سید عبد اللطیف صاحب المتخلص بہ لطف

ہوا دل کو نہایت دردِ حاصل  
تو یہ افسانہ غم ہی کہا دل

سنا میں مثنوی جو ہر سے جس دم  
کیا اس مثنوی کی سال کی فکر

## کتابیات

- فارسی مطبوعات -

اعظم، نواب محمد غوث خاں بہادر

"

"

"

برہان خاں ہاندی

جوہر، قادر حسین

"

خیر الدین احمد

سید مرتضیٰ بینش

محمد کریم خیر الدین

تذکرہ صبح وطن مدراس ۱۸۴۲ء

تذکرہ گلزار اعظم مدراس ۱۸۵۵ء

بہارستان اعظم مدراس ۱۸۸۳ء

سفینۃ النجات مدراس ۱۹۵۰ء

توزک والا جہاں مدراس

مثنوی شہنشاہی { بلٹن گورنمنٹ اورینٹل

مثنوی جوہر { منسکرپٹ لائبریری مدراس ۱۹۵۶ء

اساس ریاست کرناٹک حیدرآباد

اشارات بینش مطبوعہ مدراس ودہلی

سوانح امت ممتاز مدراس ۱۹۶۱ء

- اردو و مخطوطات -

الف، محمد علی

جوہر، قادر حسین

علی، غلام علی

نادر

مثنوی گلزار اعظم اورینٹل منسکرپٹ لائبریری، حیدرآباد

مثنوی اعظم نامہ عطیہ جناب مفتی الدین محمد ایم ٹی (غنائیہ)

مثنوی تحفہ اعظم کتب خانہ عثمانیہ یونیورسٹی

مثنوی نادر ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد

- اردو مطبوعات -

افضل الدین اقبال، ڈاکٹر مدراس میں اردو ادب کی نشوونما حیدرآباد ۱۹۶۹ء

سروری، پیر و فیروز عبدالقادر اردو کی ادبی تاریخ حیدرآباد ۱۹۵۸ء

سیدہ جعفر پروفسر دکنی نثر کا انتخاب ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۳ء

صفی الدین مولوی تبصرہ بر ملک کرناٹک (مارکوس آف ڈیپوئی) ۱۹۳۳ء

عبدالمبارک لدی پروفسر اردو میں سانیاتی تحقیق - بیجا ۱۹۶۱ء